الله

نور السموٰت والارض

ماہنامہ

انوار العلوم

لاہور

دسمبر 1953ء

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم

از متوسلین حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضہم

شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ

مدیر: احقر محمد نجم الحسن تھانوی غفرلہٗ

دسمبر ۱۹۵۳

اللّٰہُ

نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ماہنامہ انوار العلوم

لاہور

سرپرست: حضرت مولانا مولوی مفتی محمد حسن صاحب مدت فیوضہم

از متوسلین حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

نگران: حضرت مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدت فیوضہم

شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ

مدیر: احقر محمد نجم الحسن تھانوی غفرلہٗ

قانونِ شریعت اور قانونِ حکومت کا
موازنہ

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب، کاندھلوی مدظلہ

زیرِ نظر مضمون دراصل حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کی ایک تقریر ہے جو موصوف نے ۲۲ نومبر ۵۲ء کے بعد (جب کہ گزشتہ سال پاک اسمبلی میں دستوری مسودہ پیش کیا جارہا تھا) فرمائی تھی۔ اس پر مولانا نے نظرِ ثانی فرماکر تصحیح و ترمیم فرمادی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جیسا کہ سب کو علم ہے پاکستان اسمبلی میں ملک کے دستور کا مسودہ پیش کیا جارہا ہے جس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں مختلف لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ پاکستان "اسلام" اور "لا الٰہ الا اللہ" کے نام پر بنا تھا، اس لیے یہ تو ناممکن ہو کہ یہاں پر کوئی دوسرا دستور جو "اسلام" سے مختلف ہو بنایا جاسکے۔ مگر بعض لوگوں کا یہ خیال ہو کہ اول تو شریعت میں کوئی قانون ہی نہیں اس لیے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ملک کا دستور اسلامی ہو اور اگر بالفرض کوئی دستور اسلام میں ہوگا بھی تو وہ اس زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو ہرگز بھی پورا نہیں کرسکتا۔ یہ کہنا کہ اسلام میں کوئی دستور اور قانون نہیں یہ تو مجذوب اور دیوانہ کی بڑ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ دو سو سال پہلے کو دیکھ لو کہ مشرق اور مغرب میں اسلامی حکومت پھیلی ہوئی تھی اور تمام عدالتیں اسلامی ہی قانون سے چل رہی تھیں انگریزی قانون کو کوئی مسلمان جانتا بھی نہ تھا۔ آٹھ سو سال تک ہندوستان میں اسلامی حکومت رہی اور قانون شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے رہے۔

مجھے تو اس وقت یہ بتانا ہو کہ موجودہ زمانہ کے قانون اور اسلام کے قانون میں کیا فرق ہو اور اس کے لئے وہ چند اصول و قواعد بیان کرنے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اس وقت عالم میں اگر موجودہ ضرورتوں کو کوئی قانون پورا کرسکتا ہے تو صرف اسلامی قانون ہی ہے اور یہی وہ قانون ہے کہ آج دنیا کی مصیبتوں کا واحد علاج اسی پر عمل کرنے کا راستہ ہے لہٰذا وقت کا سب سے زیادہ ضروری یہی دستور و قانون ہے جو اسلام نے بتلایا ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیا میں بڑی عدالتیں دو ہی ہیں۔ ایک عدالت دیوانی اور دوسری عدالت فوجداری پہلی عدالت مالی مقدمات کے لیے ہے اور دوسری جانی۔ اور اس پر بھی سب عقلاء کا اتفاق ہے اور ساری دنیا اس کو مانتی ہے

کہ یہ عدالتیں جرائم کی سزا دینے کے لیے قائم ہیں تاکہ جرائم کی روک تھام ہو اور مخلوقِ خدا امن کا سانس لے سکے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عقلی طور پر جرائم کی کتنی شکلیں ہو سکتی ہیں اس کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان جرائم کو موجودہ قانون نے روکنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا اور اسلام نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ یہ امر بدرجۂ روشن کی طرح واضح ہے کہ قانون کا مقصد یہ ہے کہ امنِ عامہ قائم ہو اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہو۔ لہٰذا یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ لوگوں کے حقوق کی کتنی قسمیں ہیں؟ سو یہ حقوق تین قسم کے ہیں۔ مالی، جانی اور آبرو۔ انہی کی حفاظت کی دعوے دار ساری دنیا کی حکومتیں اور قوانین ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب ان تین چیزوں کی حفاظت ہو گی تو امن قائم ہو گیا۔ اور جو شخص ان حقوق میں خلل اندازی کرتا ہے وہ یقیناً مجرم ہے۔ یہاں برسبیل ذکر یہ بھی بتا دینا مفید ہو گا کہ جرائم تین قوتوں سے صادر ہوتے ہیں۔ شہوت[۱] حرص[۲] غضب[۳]۔ آبروریزی کے متعلق جو جرائم ہیں وہ نتیجہ ہیں قوتِ شہویہ کا اور جو جرائم مال سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً چوری، خیانت وغیرہ وہ حرص و طمع کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح جان سے متعلق جرائم کا ارتکاب قوتِ غضبیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

البتہ ان جرائم میں مراتب ہیں بعض مراتب ایسے ہیں کہ وہاں پر انسان کے دل میں ایک جرم کا تقاضا پیدا ہوا مگر خدا کے خوف نے اس کو اس جرم سے باز رکھا، یا اپنی جماعت و قبیلہ کے پاس و لحاظ سے رک گیا۔ یا کبھی اخلاقی طاقتوں نے اس کو روک دیا اور ایک مرتبہ یہ ہے کہ نہ انسان کو خدا کا خوف کسی جرم سے باز رکھ سکے اور نہ آخرت کا خوف، نہ اس کو قوم کا کوئی پاس و لحاظ ہو نہ خاندان و قبیلہ کا۔ نہ بدنامی کا ڈر اس کو روک سکے نہ قانون کا خوف۔ سو درحقیقت یہی وہ مقام اور مرتبہ ہے اور یہی وہ شخص ہے کہ اس کو علاوہ آخرت میں سزا ملنے کے دنیا میں بھی سزا ملنا ضروری ہے تاکہ ایسے لوگوں کے دستِ ظلم و تعدی سے مخلوق بچ سکے۔ چنانچہ شریعتِ مقدسہ نے سات جرم ایسے تجویز کیے کہ جو اپنی شناعت و قباحت میں حدِ انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو جب تک عبرتناک سزا نہ دی جائے اس وقت تک لوگوں کا جان و مال اور آبرو محفوظ نہیں رہ سکتا۔

جرم اوّل

سب سے پہلا جرم "قتل" ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عداوت وغیرہ کی وجہ سے ناحق کسی کی جان لے لینا۔ اس کی سزا شریعت نے "قصاص" مقرر کی یعنی قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں نرمی برتنا لوگوں پر ظلم کرنا اور فساد کا دروازہ کھول دینا ہے۔

جرم دوم

دوسرا جرم ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹ دینا ہے جس کو شرعی اصطلاح میں "قطع اطراف" کہا جاتا ہے۔ یہ دوسرے درجہ کا جرم ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا بھی قصاص لیا جائے گا اور جو عضو کسی کا کاٹ دیا ہے وہی عضو اس کا بھی کاٹا جائے گا۔ پہلے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى	اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کر دیا گیا مقتولین کے بارے میں۔ آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے

دوسرے کے متعلق ارشاد ہے :-

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۔	جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بھی قصاص ہے ۔

ان دو حکموں سے خدا تعالیٰ نے جان اور اعضاء کی حفاظت فرما دی ۔

جرم سوم

مال کے متعلق جن جرائم کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک چوری ہے ۔ یوں تو امانت میں خیانت کرنا، کسی کا مال غصب کر لینا، کسی سے دھوکہ کر کے کچھ لے لینا وغیرہ بھی ایسے جرائم ہیں جو مال کی فہرست میں آتے ہیں مگر ان پر کوئی عبرتناک سزا اس لیے مقرر نہیں فرمائی گئی کہ یہ اتنے سخت جرم نہیں ہیں ۔ ہاں چوری ایک ایسا سخت جرم ہے کہ اس میں عبرتناک سزا تجویز فرمائی گئی ۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ :-

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝	چور، مرد اور عورت، ان کے ہاتھ کاٹ دو، بسبب ان کے فعل کے ۔ یہ عذاب ہے خدا کی طرف سے ۔

یہ وہ سزا ہے کہ اس پر آج کل لوگوں کو بہت بہت اشکالات ہیں کہ اگر چور کے ہاتھ کاٹنا شروع کر دیے تو سارا ملک ہی لُنجا ہو جائے گا سو یہ بالکل غلط ہے اور اس قسم کے خیالات درحقیقت نتیجہ اس کا ہے کہ کبھی غور نہیں کیا گیا ۔ ورنہ آپ یہ دیکھیے کہ اس آیت کے نزول کے بعد دس برس کی مدت میں صرف ایک شخص کا ہاتھ کٹنے کی نوبت آئی ۔ اور وہ تو نبوت کا زمانہ تھا ۔ اب آپ حجاز میں جا کر دیکھ لیں کہ شاید دس آدمیوں کے بھی ہاتھ کٹنے کی نوبت نہیں آئی مگر سارا ملک چوری سے پاک ہے ۔ سو اگر تمہارا ملک بھی دس چوروں کے ہاتھ کٹ کر اس لعنت سے پاک ہو سکے تو کیا نقصان ہے ؟ اس جگہ ایک اور مسئلہ بھی سن لیجیے کہ علماء نے اس بات پر بحث کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کو پانچ سو اشرفی بطور دیت کے دلائی جائے گی اور دوسری طرف یہ حکم ہے کہ دس درم یعنی تقریباً پانچ روپے چرانے پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ بعض زندیقین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ اسلام کے احکام میں کھلا اختلاف اور تناقض ہے کہ جس ہاتھ کی قیمت وہاں پانچ سو اشرفی لگائی گئی اب اس کو صرف چند روپے کے بدلے کاٹ دیا گیا ۔

يَدٌ بِخَمْسِ مِئِيْنَ مِنْ عَسْجَدٍ وُدِيَتْ ۔۔۔ مَا بَالُهَا قُطِعَتْ فِيْ رُبْعِ دِيْنَارٍ
تَنَاقُضٌ مَا لَنَا اِلَّا السُّكُوْتُ لَهٗ ۔۔۔ وَنَسْتَجِيْرُ بِمَوْلَانَا مِنَ الْعَارِ

(جس ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار تھی اب چوری کی وجہ سے اس کو تقریباً پانچ روپیہ کے بدلے میں کاٹ ڈالا گیا ۔ یہ تو کھلا ہوا تناقض ہے اسلام اس عار سے بری ہے) قاضی عبدالوہاب مالکی نے اسی بحر اور قافیہ میں جواب دیا :-

يد بخمس مئي من عسجد وديت ‏ ‏ ‏ لكنها قطعت في ربع دينار

صيانة العضو اغلاها وارخصها ‏ ‏ ‏ خيانة المال فافهم حكمة الباري

بے شک ہاتھ کی قیمت پانسو دینار ہے لیکن چوری سے اس کی قیمت ربع دینار رہ جاتی ہے جب تک ہاتھ چوری اور خیانت سے محفوظ تھا اس وقت تک اس کی قیمت اونچی اور گراں تھی اور چوری اور خیانت نے اس کی قیمت کو گرا دیا۔ اور ایک عالم نے یہ جواب دیا۔

هناك مظلومة غالت بقيمتها ‏ ‏ ‏ وههنا ظلمت هانت على الباري

جب ہاتھ مظلوم تھا تو قیمت اس کی گراں تھی اور جب وہ ہاتھ ظالم بن گیا اور چوری کر کے لوگوں پر تعدی کی تو اس کی قیمت گر گئی۔ اور شیخ شمس الدین کردی نے یہ جواب دیا:۔

قل للمعري عار ايما عار ‏ ‏ ‏ جهل الفتى وهو عن ثوب التقى عاري

لا تقدحن زناد الشعر عن حكم ‏ ‏ ‏ شعائر الشرع لم تقدح باشعار

فقيمة اليد نصف الالف من ذهب ‏ ‏ ‏ فان تعدت فلا تسوى بدينار

اس کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے کہ ظلم کرنے سے ہاتھ کی کوئی قیمت نہیں رہتی ظالم ہاتھ اسی قابل ہے کہ اس کو قطع کیا جائے۔ اس کے علاوہ علماء کے کلام میں ایک جواب اور دیکھا کہ اس وقت جو اس شخص سے پانچ سو اشرفی دلوائی جا رہی ہے وہ اور بات ہے اور اب جو یہ پانچ روپے کے بدلے کاٹا جا رہا ہے یہ اور بات ہے کیونکہ یہاں پر بظاہر تو ہاتھ کو پانچ روپے کے بدلے کاٹا جا رہا ہے مگر حقیقت یہ ہاتھ پانچ کروڑ کے بدلے میں کاٹا جا رہا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب تک اس نے چوری نہ کی تھی اس وقت تک سارا شہر اور ملک اور اس کے تمام باشندوں کے مال و متاع محفوظ تھے مگر اس شخص نے چوری کر کے سارے شہر اور ملک کے اموال کو خطرے میں ڈال دیا اور سب کے اموال خطرے میں پڑ گئے اس لیے یہ ہاتھ صرف پانچ روپیہ میں نہیں کاٹا جا رہا ہے بلکہ ملک کی دولت اور ثروت کے خطرہ میں پڑ جانے کی وجہ سے کاٹا جا رہا ہے غرض اس جرم پر ہاتھ کاٹ دینا عین رحمت ہے۔ یہ کہاں کی سمجھ ہے کہ ایک شخص پر رحم کر کے سارے ملک پر ظلم روا رکھا جائے۔ ؎

نکوئی با بداں کردن چنان است ‏ ‏ ‏ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اگر غور کیا جائے تو ہاتھ کاٹنے میں ایک خاص حکمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان پر حرص کا مادہ غالب آتا ہے تو وہ دل سے گذر کر اس کے اعضاء پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ پیر حرکت میں آجاتے ہیں جس سے یہ شنیع فعل سرزد ہوتا ہے سو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ ہاتھ اور پیر ہی کاٹ دیا جائے جس سے یہ فعل سرزد ہوا۔

دوسرا حکم شریعت کا چور کے متعلق یہ ہے کہ چور سے سارا مال برآمد کر کے اصل مالک کے حوالے کیا جائے گا اور اگر اس نے

مال کو کہیں تلف کر دیا ہو تو اس کا بعد تحقیق ضمان دلوایا جائے گا۔ غرض یہ حکم جو اچوری کے متعلق جو تیسری قسم تھی۔

جرم چہارم چوتھا حکم ڈاکہ کے متعلق ہے جس کا مطلب یہ کہ کچھ جابر لوگ مسلح ہو کر کسی گاؤں یا بستی یا بازار پر جا چڑھے اور وہاں پر سب کو لوٹ کھسوٹ کر لے گئے اس کا حکم قرآن مجید میں صریح مذکور ہے:۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ الآیہ — ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں بالاختلاف کاٹے جائیں یا ان کو قید میں ڈال دیا جائے۔

دراصل ڈاکو جو جرم کرتے ہیں وہ چار طرح کے ہیں اول یہ کہ صرف جان لیں اور کسی کو قتل کر دیں۔ دوسرا یہ کہ صرف مال لیں اور قتل کی نوبت نہ آئے۔ تیسرے یہ کہ دونوں فعل کے مرتکب ہوں قتل بھی کریں، مال بھی لیں۔ چوتھے یہ کہ اس سے قبل ہی گرفتار کر لیے جاویں نہ قتل کی نوبت آئے نہ مال لینے کی۔ سو اگر صرف جان لی ہو تو قتل کیے جاویں اور فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پیر اس طرح کاٹے جاویں کہ داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جاوے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا جرم چور سے زیادہ سخت ہے اور اگر جان بھی لی اور مال بھی لیا تو قتل کر کے سولی پر لٹکائے جاویں۔ اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکے اور گرفتار کر لیے گئے تو جیل میں ڈال دیا جاوے جب تک حاکم مناسب سمجھے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی عبرتناک سزا کے بعد کسی کو کب ڈاکہ کی جرأت ہو سکے گی؟

جرم پنجم پانچواں حکم زنا کے متعلق ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زنا کرنے والا شادی شدہ ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو کسی منظر عام پر لا کر پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شادی شدہ نہ ہو سو ایسی صورت میں ایک صد درے لگائے جائیں گے۔ پہلا حکم قرآن مجید میں موجود تھا جو اب منسوخ التلاوۃ ہے یعنی اس آیت کا حکم باقی ہے لفظ منسوخ ہو چکے۔ دوسرا حکم یہ ہے: "زانیہ عورت اور زانی مرد ہر ایک کے سو سو کوڑے لگاؤ" کہا جاتا ہے کہ صاحب ایک جرم کے بدلے میں جان لے لی۔ مگر یہ نہ غور کیا کہ زنا کو خداتعالیٰ نے کس طرح بند کیا اور کہاں سے اس پر بند باندھا۔ یعنی اول تو عورتوں کو حکم دیا کہ:۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى — اور اپنے گھروں میں ٹکی رہیں وہ عورتیں۔

پھر کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت کی، پھر کسی اجنبیہ کو جھانکنے تاکنے کی ممانعت کی حتیٰ کہ کسی اجنبیہ کا خیال بھی دل میں لانے کو منع کیا۔ اب جو شخص یہ ساری حدود توڑ کر زنا کا ارتکاب کرے وہ درحقیقت ایسی ہی سخت اور عبرتناک سزا کا مستحق ہے۔ نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس سزا کو جو وحشیانہ کہا جاتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ زانی نے جس جرم کا

ارتکاب کیا ہے وہ آبرو سے متعلق ہے اور یہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس نے اول تو ایک شخص کے نسب کو خراب کیا، اس کے خاندان کو خراب کیا اور آبروریزی کر کے ساری عمر کے لیے اس کو انگشت نمائے عام کیا اور پھر اکثر یہ ہوتا ہے کہ زنا کے حمل کو ضائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو در پردہ یہ شخص ایک جان کے قتل کا مرتکب ہوا اور اگر بالفرض اس کو ضائع نہ بھی کیا گیا اور وہ بچہ بڑا بھی ہوا تو ظاہر ہے کہ بے باپ کا بچہ ہے اور ساری عمر اس کے سر پر کوئی شفقت سے ہاتھ رکھنے والا بھی نہیں اور یہ درحقیقت اس کو زندہ درگور کر دینے کے مرادف ہے اس کے علاوہ زنا سے ہزاروں قسم کی بیماریاں لگتی ہیں اور جب آدمی بدکاری میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے بیوی بچوں کے حقوق، ضائع کرتا ہے۔ غرض یہ کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ درحقیقت قتل سے زیادہ سنگین اور سخت جرم ہے ایسے شخص کو سنگسار کر دیا جانا عین مصلحت اور عین حکمت ہے کہ زمین کو ایسے بے حیاؤں سے پاک کر کے مخلوق کو ان کے کردار سے امن دیا جائے۔

حکمِ ششم

چھٹا حکم "حد قذف" ہے یعنی تہمت لگانے کی سزا۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "ان کے اسّی کوڑے لگاؤ" یعنی جو شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے اور شرعی طریقہ سے ثبوت بہم نہ پہونچا سکے تو یہ اس کی سزا ہے۔

حکمِ ہفتم

ساتواں حکم شراب پینے کی سزا ہے اور اس میں بھی اسّی ہی کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور زنا میں سو کوڑے اور شراب اور تہمت میں اسی اسی کوڑے جو مقرر فرمائے گئے سو اس میں فرق یہ ہے کہ اطبا نے لکھا ہے کہ اگر ایک انسان کو کوئی بیماری وغیرہ پیش نہ آئے تو اس کی عمر سو برس کی ہوتی ہے۔ سو زانی نے چونکہ ایک جان تلف کی ہے جس کی عمر سو برس کی ہوتی لہٰذا اس کے سو کوڑے لگائے گئے اور تہمت لگانے میں یہ صورت ہے کہ اس میں بیس سال کم کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ انسان کی شروع عمر کے پندرہ سال ایسے ہیں کہ اس میں تو تہمت لگائی ہی نہیں جا سکتی۔ اسی طرح عمر کے اخیر کے پانچ سال بھی ایسے ہی ہیں کہ ان میں تہمت نہیں لگائی جا سکتی لہٰذا تہمت لگانے والے نے اس کی عمر کے اسّی برس خراب کیے اس لیے اسّی درّے لگائے گئے۔ اور شراب کے متعلق گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سزا سب سے زیادہ ہونی چاہیے اور وجہ یہ ہے کہ ایک عالم کا قول ہے کہ اگر بالفرض قرآن و حدیث میں شراب کو حرام نہ بھی بتلایا جاتا تو میں تب بھی حرام ہی سمجھتا۔ کسی نے پوچھا کس لیے؟ فرمایا کہ عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے اور ایسی چیز جو عقل کو کھو دے اسی قابل ہے کہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے۔ غرض شراب ایسی چیز ہے کہ اس کو پی کر جب عقل ہی زائل ہو گئی تو اب قتل بھی کر سکتا ہے، زنا بھی کر سکتا ہے اور بھی ہر معصیت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ انسان کی عمر میں اسّی ہی برس عقل کے ہیں کیونکہ شروع کے پندرہ اور آخر کے پانچ برس نکالنے پڑیں گے۔ تو چونکہ شراب پی کر اس نے عقل کو زائل کیا تو جتنی عقل کی مدت ہے اتنے ہی کوڑے مقرر کیے گئے۔

اب ذرا موجودہ زمانہ کے قانون سے اس کا موازنہ کیجیے۔ سب سے اول قتل کو لیجیے۔ اگر کسی نے کسی کو قتل کر دیا

تو سب سے اول تو آپ جا کر رپٹ لکھوایئے پھر گواہ اور وکیل تلاش کیجیے، پھر سیکڑوں پیشیاں بھگتایئے اور پھر اگر جرم بھی ثابت ہو گیا تو جج نے اگر حبسِ دوام کی سزا دی تو اس سے مقتول کے وارثوں کو کیا فائدہ پہونچا کیونکہ نہ ان کا دل ٹھنڈا ہوا اور مقتول کے جو بیوی بچے لاوارث رہ گئے نہ ان کے لیے کوئی نفع کی صورت ہوئی۔ بلکہ حکومت نے اس قیدی سے جیل میں صنعت کا کام کرانا شروع کیا کہ کہیں کمبل بنوائے اور کہیں قالین اور دریاں تیار کرائیں۔ غرض ہزاروں اور لاکھوں روپے کی آمدنی جیل کی صنعتوں سے حکومت کو ہے جس میں سے ایک پیسہ بھی ورثانِ مقتول کو نہیں دیا جاتا۔ گویا جیل خانے حکومت کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس کے برخلاف اسلام نے قصاص کے ساتھ یہ بھی ورثا مقتول کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل سے مال پر صلح کر لیں اور اس طرح ان کو کچھ مال مل جائے جس سے کم از کم ان یتیم اور بیوہ کے نانِ شبینہ کی صورت تو پیدا ہو جائے اور اگر قصاص میں قتل بھی کیا جائے تو ان کے دل کو تسکین ہو اور عوام کو عبرت۔ غرض اسلام کے پیشِ نظر یہ ہے کہ سزا ایسی دی جائے کہ سب کے لیے عبرت ہو اور جن پر ظلم ہوا ہے ان کی اشک شوئی بھی ہو جائے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کسی عرضی اور استغاثہ کے لیے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں۔ تمام مقدمہ بغیر کسی خرچ کے جلد سے جلد فیصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور موجودہ قوانین میں قدم قدم پر فیسیں داخل کیجیے اور ایک مقدمہ کے لیے ہزاروں روپیہ خرچ کیجیے۔ گویا حکومتیں انصاف کرنے کی بھی فیسیں لیتی ہیں اور شریعت خدا کے لیے انصاف کرتی ہے شریعت کے پیشِ نظر مخلوق کی راحت رسانی اور سہولت اور قیامِ امن ہے اور موجودہ حکومتوں کے پیشِ نظر تجارت ہے ......

...... تیسرا فرق یہ ہے کہ اسلام کا قانون دو ٹوک اور واضح ہے جس میں کسی قسم کے اینچ پینچ کی گنجائش نکل ہی نہیں سکتی اور موجودہ قوانین لچکدار ہیں کہ جیسی ضرورت اور مصلحت ہو اس کو توڑ موڑ کر بنا لو جس کا رات دن مشاہدہ ہے۔ شریعت نے ظالم کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور دو رخی پالیسی اختیار نہیں کی۔ مجرم کے پاس اگر دولت اور سرمایہ ہے تو حکومتوں کے قوانین میں اس کے لیے پوری وسعت ہے اس پر کبھی جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ تینوں فرق ایسے بنیادی ہیں کہ ہر جگہ اور ہر جرم کی سزا اور مقدمہ میں یہ فرق نظر آتے ہیں اور جزوی طور پر چوری کے متعلق موجودہ قانون میں کیا حکم ہے کہ سب سے پہلے تھانہ میں جا کر رپٹ لکھوایئے جہاں تھانے دار سو نخرے کرے گا۔ پھر صرف رپٹ لکھوا دینا کافی نہیں، پھر وکیل اور گواہ غرض ہر ہر قدم پر خرچ ہی خرچ ہے اور اس کے بعد بھی حکومت نہ اس کی ذمہ دار ہے کہ آپ کا مال برآمد کر کے آپ کو دے گی اور نہ یہ کہ کتنے عرصہ میں آپ کا مقدمہ فیصل کرے گی۔ خواہ ایک سال لگے یا دو سال، یا دس بیس سال پیشیاں بھگتتے رہیے اور خرچ کرتے رہیے۔ اگر دس ہزار کی چوری ہوئی ہے تو ہزاروں روپیہ خرچ ہوا مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔ اگر جرم بھی ثابت ہوا تو چور کو سزا ہو جائیگی جو شرعی سزا کے مقابلہ میں خفیف سی ہوتی ہے۔ سارا گھر چوری ہوا۔

دس سال تک مقدمہ لڑا اور کچھ پلے نہ پڑا بلکہ جو مال چوری سے رہ گیا تھا وہ بھی اس دوران میں ختم ہوا۔ بخلاف اسلامی قانون کے کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ساتھ اس سے تاوان بھی لیا جائے گا۔ اب خواہ کچھ برآمد بھی ہو جاتا ہے تو اس قدر اخراجات اور پریشانی کے بعد مالک کو نہ ہونے کے برابر ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح قطع اطراف میں اس زمانہ میں صرف سزا دی جاتی ہے اگر کسی نے کسی کی ناک کاٹ دی تو وہ یہ سمجھے گا کہ کیا ہوا چھ مہینے جیل ہو آؤں گا مگر اس کو تو ساری عمر کے لیے نکٹا کر دیا۔ بخلاف قانون اسلام کے کہ جو کسی کی ناک کاٹے گا خود اس کو بھی نکٹا بننا پڑے گا اور کوئی ایسی حرکت کی جرات نہ کر سکے گا۔ علاوہ ازیں زنا کے متعلق یہ ہے کہ اس قانون میں یہ کوئی جرم ہی شمار نہیں ہوتا بلکہ اگر بالجبر ہو تو جرم ہے ورنہ کچھ نہیں اور اسی پر عمل بھی ہے کہ زنا کے سارے دروازے کھلے ہیں۔ اجنبی عورتوں سے ملنے کی بھی اجازت ہے بات کرنے کی بھی اجازت ہے ان کو دیکھنے اور گھورنے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ فواحش کی بہتات اور عریاں تصاویر کی نمائش سینما اور ریڈیو جیسے لغو ادارے ملک میں موجود ہیں جو نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کر رہے ہیں۔ ہاں زنا بالجبر ہو تو مقدمہ چل سکتا ہے جس کا نتیجہ وہی ہے کہ ہزاروں روپیہ خرچ ہو کر جرم ثابت ہوا اور جرمانہ یا قید کی کچھ سزا۔ جس سے کچھ حاصل نہیں۔ بخلاف اس کے اسلام نے ایسی عبرتناک سزا مقرر کی کہ ہر شخص اس جرم کے تصور سے بھی لرزے گا۔ غرض یہ حال ہے موجودہ قوانین کا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ عدالت دیوانی کا نام جو "دیوانی" رکھا گیا ہے تو یہ اسم بامسمیٰ ہے کہ واقعی اس میں طرفین کی جانب سے دیوانوں کی سی حرکات ہوتی ہیں کہ برسوں ایک مقدمہ چل رہا ہے اور پھر ایک فیصلہ ہو گیا کہیں اپیل چلی۔ کسی نے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے کہا کہ حضرت یہ سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو یہ خلاف تہذیب ہیں۔ مولانا نے مزاحاً فرمایا کہ جی ہاں چور کا ہاتھ کاٹنا تو خلاف تہذیب ہے مگر چوری کرنا عین تہذیب ہے۔ غرض جب فعل وحشیانہ اور ظالمانہ ہے تو سزا بھی ایسی ہی ہے۔ غرض اس وقت موجودہ خرابیوں کی اصلاح صرف اسلامی قانون ہی کر سکتا ہے مجھے یقین ہے کہ صرف پانچ ہاتھ کٹیں گے اور سارا ملک چوری کی لعنت سے پاک ہو جاوے گا اور پانچ کی قید اس لیے کہ ملک میں پانچ ہی صوبے ہیں۔ غرض ان حقائق کے پیش نظر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے پیش نظر یہ ہے کہ جرائم کا انسداد ہو اور دنیا امن کی زندگی گذار سکے اور حکومت کے پیش نظر یہ ہے کہ عدل و انصاف کا نام ہو چاہے کتنا ہی خرچہ ہو جائے آج شریعت اسلامیہ کے قانون کا مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ مذاق کے قابل خود موجودہ قانون ہے جو سراسر لغویات کا پلندہ اور مجموعہ خرافات ہے۔ سزائیں جاری کرنے کے متعلق خدا تعالیٰ کا ارشاد جس کا ترجمہ یہ ہے "تم کو ان پر رحم نہ آنے پائے" کیونکہ خدا تعالیٰ تم سے زیادہ رحیم ہیں اپنے بندوں پر زیادہ رحم فرمانے والے ہیں کیونکہ اس پر رحم کرنا ساری مخلوق پر ظلم کرنا ہے آگے ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ کو حاضر کیا جائے" تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کسی کو جرات نہ ہو۔ اسی نظریہ کا فرق شاہد ہے کہ آج نہ زنا بند ہوا نہ چوری نہ ڈاکہ کا استیصال ہو سکا ہے نہ دوسرے جرائم کا لیکن شریعت کے احکام نافذ کرنے میں یہ اثر ہے کہ جرائم ختم ہو جاتے ہیں اور مخلوق کو امن حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ تو محض ایک مختصر سا خاکہ موجودہ قوانین کا ہے ورنہ قوانین تجارت و زراعت میں کیا فرق ہے؟ اس کا جائزہ لیا جائے تو کھلی آنکھوں نظر آتا ہے کہ سراسر رحمت ہی رحمت ہے اس لیے خدا تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ ہمیں اور ہماری حکومت کو کہ وہ قرآن کے دستور اور قانون کی پابند فرما۔ پاکستان کے صحیح معنی میں یہ پاک گھر بن جائے۔ اے اللہ تو ہمارے ظاہر و باطن کو پاک فرما۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ	کوئی مصیبت بغیر اللہ کے حکم کے نہیں پہونچتی اور جو بمقتضائے ایمان مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر ہدایت اور معرفت کی راہ کھول دیتے ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے نعم العدلان ونعم العلاوۃ یعنی اس آیت میں حق تعالیٰ نے صابرین کے لیے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ ایک صلوات اور دوسرے رحمت اور تیسرے ہدایت۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ صلوات اور رحمت جو ایک دوسرے کے قرین اور عدیل ہیں یہ دونوں کیا اچھے عدیل ہیں اور ہدایت ان عدلین کے علاوہ ہے یعنی ایک زیادتی ہے جو صلوٰۃ اور رحمت پر زیادہ ہے۔

فائدہ - اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصیبت کے وقت تسلی کے دو طریقے ارشاد فرمائے۔ ایک عقلی اور ایک طبعی۔ عقلی تو یہ ہے اِنَّا لِلّٰهِ ہم سب اللہ کی ملک ہیں جس کو چاہے دنیا میں رہنے دے اور جس کو چاہے آخرت میں بلائے۔ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے۔ لہٰذا کسی عزیز کے مرنے پر شکایت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کی ملک میں دو گھوڑے ہوں ایک کو یہاں باندھ دے اور دوسرے کو دوسری جگہ باندھ دے تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ یا مالک کسی چیز کو اوپر کی منزل میں رکھ دے اور کسی کو نیچے کی منزل میں رکھ دے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس کو چاہیں دنیا میں رکھیں اور جس کو چاہیں آخرت میں رکھیں۔

اور طبعی یہ ہے وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یعنی ہم کو سب کو وہیں جانا ہے اور وہی ہمارا وطن اصلی ہے اور یہ دنیا تو ایک جیل خانہ ہے اب اگر کسی کو جیل خانہ اور چاہ زندان سے نکال کر گلستان اور بوستان میں لے جاکر ٹھیرادیں تو حقیقت میں خوشی کا مقام ہے کہ بجائے غم کدہ کے عشرت کدہ مل گیا۔ غرض یہ کہ ایک جملہ یعنی اِنَّا لِلّٰهِ میں عقل کی تسلی ہے اور دوسرے جملہ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ میں طبیعت کی تسلی ہے۔ یہ تو تسلی ہوئی۔ مگر باایں ہمہ شریعت نے حزن وملال اور رونے اور آنسو بہانے کی ممانعت نہیں کی کہ وہ غیر اختیاری امر ہے بلکہ اس میں ایک قسم کی فضیلت بھی رکھ دی اور یہ فرمایا کہ ھو رحمۃ یعنی آنسو بہانا بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ سبحان اللہ شریعت کی خوبی کو دیکھیے کہ عقل کی اور طبیعت کی

اور جذبات کی سب ہی کی رعایت ہے۔

(ملخص از وعظ الصلاۃ، وعظ دوم از سلسلۃ البشریٰ از مواعظ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ)

فائدہ دیگر

اگر کسی آنے والی مصیبت کی پہلے ہی سے خبر دے دی جائے تو صبر آسان ہو جاتا ہے۔ دفعۃً مصیبت آنے سے آدمی گھبرا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مصائب کی پہلے ہی سے خبر دے دی تاکہ صبر آسان ہو جائے۔

فائدہ دیگر

امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ آیت میں خوف سے خوفِ خداوندی مراد ہے اور بھوک سے رمضان کے روزے اور مالوں کی کمی سے زکوٰۃ اور صدقات مراد ہیں اور انفس یعنی جانوں کے نقصان سے امراض اور بیماریاں مراد ہیں اور ثمرات کے نقصان سے اولاد کا مرنا مراد ہے کیونکہ اولاد انسان کی زندگی کا پھل ہے۔

جامع ترمذی میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب فرشتے کسی مردِ مومن کے بچہ کی روح قبض کر کے لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:۔

اقبضتم ولد عبدی فیقولون نعم فیقول اقبضتم ثمرۃ قلبہ فیقولون نعم

کیا تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کر لی۔ کیا تم نے میرے بندہ کے ثمرۂ قلب کو لے لیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بتلاؤ میرے بندہ نے اس مصیبت پر کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں کہ آپ کے بندہ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھی۔ اور آپ کی حمد و ثنا کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندہ کے لیے جنت میں ایک محل تیار کر دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ
صفا اور مروہ جو ہیں نشان ہیں اللہ کے پھر جو کوئی حج کرے اس گھر کا یا

اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا
زیارت تو گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی شوق سے کرے کچھ نیکی

فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ○
تو اللہ قدردان ہے سب جانتا ۔

استشہاد بر فضیلت صبر

(ربط) گذشتہ آیات میں صابرین کے لیے اپنی معیت اور صلوات اور رحمت اور ہدایت کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں اس کی ایک دلیل اور ایک شاہد ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی حضرت ہاجرہ رض اور حضرت اسمٰعیلؑ کے صبر جمیل کی ایک یادگار ذکر فرماتے ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی اسی صبر کی یادگار ہے۔ جس کے بیان سے بحث قبلہ اور مناسک حج و عمرہ کی بھی تکمیل ہو جائے گی۔ اور وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ الخ سے بھی سلسلۂ کلام مربوط ہو جائے گا۔ ابتلاء اور امتحان ہی سے سلسلۂ کلام کا آغاز ہوا اور ابتلاء اور امتحان ہی پر اُس کا اختتام ہوا۔ نیز ابتدا قصہ میں امامت کا ذکر تھا۔

اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا — میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا۔

اور منصب امامت کے لیے صبر کامل اور ایقان تام ضروری ہے کما قال تعالٰے:-

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا — اور کیے ہم نے ان میں سردار جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے
صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ○ — جب وہ ٹھیرے رہے اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے۔

اس لیے سلسلۂ کلام کو صبر کے فضائل اور برکات اور اس کے شواہد اور ثمرات پر ختم فرمایا۔

شان نزول

صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ان دو پہاڑیوں کے درمیان میں طواف کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں کافروں نے ان پر دو بت رکھ دیے اور ان کی تعظیم کرتے اور ان کا استلام کرتے اور یہ سمجھتے کہ یہ طواف ان دو بتوں کا

تعظیم کے لیے ہے۔ جب زمانہ اسلام کا آیا اور مسلمانوں کو سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف ان بتوں کی تعظیم کے لیے ہے اور بتوں کی تعظیم اسلام میں ممنوع ہے اس لیے صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق کوہ صفا اور کوہ مروہ اور پہاڑوں کی طرح معمولی پہاڑ تھے مگر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے رضا بالقضاء کی برکت سے خدا کی یادگاروں میں سے ہو گئے۔ اور ان کا طواف مناسک حج سے بنا دیا گیا۔ سو جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں ذرہ برابر گناہ نہیں تم کافروں کی مشابہت سے شبہ میں مت پڑو۔ صفا اور مروہ دراصل شعائر الٰہیہ میں سے ہیں اور ان کا طواف سراسر خیر اور عبادت ہے۔ اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی شوق اور رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرماتے ہیں اور اس کی نیت اور اخلاص کو خوب جانتے ہیں۔ اور بقدر اخلاص کے اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

فوائد (۱) شعائر۔ شعیرۃ یا شعارۃ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں شعائر اللہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے عام طور پر کفر اور اسلام میں امتیاز پیدا ہو اور ان کو شعائر اسلام بھی کہتے ہیں۔

(۲) آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی کے حکم سے بت پرستوں کی مشابہت کا خیال ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی جس کا ماحصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ اصل میں اللہ کی یادگار ہیں۔ اور کافروں کی مشابہت امر عارضی ہے وہ اس میں موثر نہ ہوگی جب کہ نیت خالص اللہ کی ہو۔ جیسے خانہ کعبہ چند روز غلبہ کفار کی وجہ سے بیت الاصنام یعنی بت خانہ بن گیا لیکن اس کا قبلہ اور مطاف ہونا ساقط نہ ہوا۔ اس لیے کہ جو شے بالذات ہوتی ہے وہ عوارض کی وجہ سے زائل اور ساقط نہیں ہوتی اس لیے مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی تردد اور تامل نہ ہونا چاہیے۔ مشابہت کفار اس وقت موجب حرمت ہوتی ہے کہ جب کسی شے کا شعائر اللہ میں سے ہونا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جیسے تعظیم نوروز اور ہولی اور دوالی اور دسہرہ اور نصاریٰ کی کرسمس۔ اور جو افعال اللہ کے نزدیک مشروع اور پسندیدہ ہیں ان میں کفار کی مشابہت مؤثر نہیں جیسے حج اور عمرہ اور ختنہ اور عقیقہ اور قربانی اور کسوف کے وقت صدقہ اور غلاموں کا آزاد کرنا بشرکین عرب میں رائج تھا۔

سعی بین الصفا والمروہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک واجب ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ "فلاجناح" کے لفظ سے بظاہر ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ضروری اور واجب نہیں۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ عروۃ بن الزبیرؓ نے عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (کوئی گناہ نہیں کہ صفا اور مروہ کا طواف کرے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھانجے آیت کا یہ مطلب نہیں جو تو نے سمجھا۔ اگر آیت کا وہ مطلب ہوتا جو تو نے بیان کیا تو عبارتِ قرآنی اس طرح ہوتی فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا یعنی اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے اور یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جن کا قصہ یہ ہے کہ انصار قبل از اسلام منات کی عبادت کرتے تھے اور جب مسلمان ہوئے اور سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو کفار کی مشابہت کی وجہ سے دل تنگ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری و مسلم)

چونکہ انصار پر کفار کی مشابہت کی وجہ سے سعی بین الصفا والمروہ کا کرنا گراں گذر رہا تھا اس لیے اُس گرانی کے رفع کرنے کے لیے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں جس سے ترک کی اجازت دینا مقصود نہیں ورنہ اگر ترک سعی کی اجازت دینا مقصود ہوتی تو فلاجناح علیہ ان لا یطوف فرماتے یعنی کوئی حرج نہیں کہ سعی بین الصفا والمروہ نہ کرے۔ غرض یہ کہ آیت میں لاجناح کا لفظ طواف بین الصفا والمروہ کرنے کے متعلق آیا ہے یعنی کرنے کی اجازت ہے۔ ترک طواف اور ترک سعی کے متعلق لاجناح نہیں فرمایا کہ جس سے ترک سعی کی اجازت مفہوم ہوتی۔ علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لاجناح کا لفظ محض اباحت پر دلالت کرتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ لفظ محض طواف بین الصفا والمروہ کی اباحت اور جواز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اساف اور نائلہ یعنی بتوں کے ہوتے ہوئے بھی صفا اور مروہ کا طواف جائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ مسئلہ دریافت کرے کہ جس کپڑے پر قدر درہم سے کم نجاست لگی ہوئی ہو تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو یہ جواب دیا جائے گا لاجناح علیک ان تصلی فیہ۔ یعنی ایسے کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ تو اس عبارت سے نفس نماز کی اباحت اور اجازت نہیں سمجھی جاتی بلکہ قلیل نجاست کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اُتارا صاف حکم اور راہ کے نشان بعد

بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ

اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں اُن کو لعنت دیتا ہے اللہ اور

يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا

لعنت دیتے ہیں سب لعنت دینے والے مگر جنہوں نے توبہ کی اور سنوارا اور بیان کر دیا

فَأُولٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ

تو اُن کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں معاف کرنے والا مہربان جو

الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

لوگ منکر ہوئے اور مرگئے منکر ہی اُنہیں پر ہے لعنت اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی رہ پڑے اُس میں نہ ہلکا ہوگا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

اُن پر عذاب اور نہ اُن کو فرصت ملے گی

اسی طرح اصل سعی واجب ہے اور بحالتِ موجودہ جس کی وجہ سے انصار کو گرانی تھی جائز اور مباح ہے۔

رجوع بخطاب یہود و وعید بر کتمان حق و جحود

ربط، گذشتہ آیات میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ یہود حق کو جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ مگر باوجود جاننے اور پہچاننے کے حق کو چھپاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ اب اس آیت میں اُس کتمان حق پر وعید ذکر فرماتے ہیں اور توبہ کرنے والوں کے لیے عفو اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق جو لوگ خوب جانتے ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی شعائر اللہ میں سے ہے اور حضرت

ہاجرہ رض کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے مگر باوجود اس کے یہ لوگ اُن مضامین کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا جو اپنی ذات سے واضح اور روشن ہیں اور شعائر اللہ کی ہدایت اور رہ نمائی کرتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اس کو تمام لوگوں کے لیے عام اور خاص سب کے لیے شعائر اسلام اور شعائر کفر کے فرق کو خوب واضح کر دیا ہے اور خبر واحد کی طرح نہیں بتایا کہ کسی کو پہونچے اور کسی کو نہ پہونچے بلکہ اس کو کتاب الٰہی میں داخل کر دیا ہے تاکہ متواتر ہو جائے اور اس کا اخفاء اور پوشیدہ رکھنا ناممکن ہو جائے۔ لیکن یہ لوگ کمال عداوت کی وجہ سے اس کے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اور رفع جہالت چاہتا ہے اور یہ لوگ گمراہی اور جہالت کا بقاء چاہتے ہیں اور نیز لعنت کرتے ہیں اُن پر سب لعنت کرنے والے۔ ملائکہ اور ارواح انبیاء وصلحاء تو اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ اُن کی کوشش تو یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو بیان کیا جائے اور اُن کی خوب نشر واشاعت کی جائے اور یہ لوگ ان حضرات کی کوشش کو ضائع کرنا چاہتے ہیں اور عوام اور فساق وفجار اور کفار نابکار اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اُن کو حق معلوم نہ ہونے دیا اور چونکہ کتمان حق کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور مصیبتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں اس لیے تمام حیوانات اور جمادات ان پر لعنت بھیجتے ہیں کہ ان کی وجہ سے مصیبت اور بلا میں گرفتار ہوئے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب قحط پڑتا ہے اور بارش بند ہو جاتی ہے تو جانور، گناہ کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کم بختوں کی وجہ سے نحوست آئی۔ مگر جن لوگوں نے محض اللہ کی ناراضی کے ڈر سے حق پوشی سے توبہ کر لی اور حق پوشی کی وجہ سے جو خرابی آئی تھی اس کی اصلاح کر لی یعنی جو عقائد اور اعمال اور حقوق اور اموال لوگوں کے حق پوشی کی وجہ سے خراب اور برباد ہوئے تھے اُن کی اصلاح کر دی اور گذشتہ غلطیوں کا تدارک کر دیا اور جس حق کو چھپایا تھا اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو ایسے لوگوں کو میں معاف کر دیتا ہوں اور بجائے لعنت کے ان پر رحمت نازل کرتا ہوں اور میں تو بڑا ہی توبہ کا قبول کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں کہ توبہ کرنے سے لعنت کو رحمت سے اور سزا کو انعام سے بدل دیتا ہوں۔

تحقیق جو لوگ حق پوشی کی وجہ سے کفر کی حد تک پہونچ گئے اور بدون توبہ کے کفر کی حالت میں مر گئے ایسے لوگوں پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی مستمر لعنت ہے۔ حتیٰ کہ خود اس کی بھی اس پر لعنت ہے۔ اس لیے کہ یہ کافر خود دیکھتا ہے کہ جو دیدہ ودانستہ حق کو چھپائے اس پر اللہ کی لعنت

وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ؏

اور تمہارا رب اکیلا رب ہے — کسی کو پوجنا نہیں اُس کے سوا — بڑا مہربان ہے — رحم والا ۞

اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی خود اس عموم میں داخل ہوں اور یہ لوگ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے۔ یہ لعنت کبھی ان سے منقطع نہ ہوگی کیونکہ بغیر توبہ کے مرے ہیں ذرہ برابر ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی بلکہ دم بدم زیادتی ہوتی رہے گی دنیا میں دن بدن ان کا کفر اور تمرد بڑھتا تھا، آخرت میں عذاب بڑھتا ہے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی کہ کچھ دیر آرام کرلیں اور آئندہ کے لیے عذاب سہنے کی کچھ قوت آجائے اس لیے کہ عذاب میں تخفیف اور مہلت یہ بھی ایک قسم کا لعنت سے نکالنا ہے جو ان کے حق میں ناممکن اور محال ہے۔

اعلان توحید

وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ؏

ربط، گذشتہ آیات میں اللہ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر فرمایا آئندہ آیت میں حق تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہی ایک معبود ہے اس کے سوا کہیں پناہ نہیں جو اس کی لعنت سے تم کو چھڑا سکے اور اس کے سوا کوئی رحمٰن اور رحیم نہیں کہ جو خدا کی لعنت اور نقمت کو رحمت اور عنایت سے بدل دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔ رحمت عامہ اور خاصہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس لیے بدون اس کی رحمت کے لعنت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ تم کو اس کی لعنت سے نکال لیتا اور تم پر رحمت کرتا لیکن اس کے سوا کوئی خدا نہیں جو رحمت عامہ اور خاصہ کا مالک ہو اور عجب نہیں کہ اس خطاب میں اہل کتاب کو تہدید اور عتاب ہو کہ باوجودیکہ توریت اور انجیل میں اللہ کی توحید کی صریح صریح آیتیں مذکور ہیں اور پھر بھی تم حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہو اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو اور اُس توحید کو جو تم کو معلوم ہے اس کو چھپاتے ہو۔ غرض یہ کہ تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپانے کی وجہ سے بھی مستحق لعنت ہوئے اور توحید خداوندی کے اخفاء اور کتمان کی وجہ سے بھی مورد لعنت بنے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا بدلتے آنا

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ
اور کشتی جو لے کر چلتی ہے دریا میں جو چیزیں کام آویں لوگوں کو اور وہ جو اللہ نے اتارا

مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
آسمان سے پانی پھر جلایا اس سے زمین کو مرگئے پیچھے اور بکھیرے

فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ
اس میں سب قسم کے جانور اور پھیرنا باؤں کا اور ابر جو

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ○
حکم کا تابع ہے درمیان آسمان اور زمین کے ان میں نمونے ہیں عقلمند لوگوں کو ۞

دلائل توحید

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الى لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ

ربط جب آیۂ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو مشرکین نے تعجب سے کہا کہ کیا سارے جہان کا ایک ہی خدا ہے اگر ایسا ہے تو اس پر کیا دلیل ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں جن میں توحید کے دلائل بیان فرمائے کہ علویات اور سفلیات اور متوسطات اور ان کے احوال وصفات سب دعوائے وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق (۱) آسمانوں اور (۲) زمین کی پیدائش میں (۳) اور دن رات کی آمد ورفت اور ان کے مختلف ہونے میں (۴) اور ان جہازوں اور کشتیوں میں کہ جو دریا میں لوگوں کی منافع کی چیزوں کو لے کر چلتی ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو آدمی اور سامان پہنچاتی ہیں جہاں آدمیوں اور جانوروں کا پہونچنا ممکن نہیں (۵) اور اس پانی میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل
-------- کیا اور پھر اس پانی سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد
زندہ کیا یعنی خشکی اور قحط سالی کے بعد قسم قسم کے پھول اور پھل اس میں اُگائے (۶) اور ہر قسم کے جانور اس میں

پھیلائے (۷) اور ہواؤں کے پھیرنے میں کہ کبھی مشرق کا چکر لگاتی ہیں اور کبھی مغرب کا اور کبھی شمال کا اور کبھی جنوب کا

(۸) اور اس ابر میں کہ جو آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے حالانکہ ہزارہا من پانی سے بھرا ہوا ہے باوجود اس عظیم ثقل کے زمین پر گر نہیں جاتا۔ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کی عجیب و غریب دلائل اور براہین ہیں ان لوگوں کے لیے جو اپنی عقل کو نظر اور فکر میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدانیت اور رحمت پر مختلف طرح سے دلالت کرتی ہیں۔

(۱) آسمانوں میں غور کیجیے کہ تمام آسمان حقیقت اور طبیعت جرمیہ کے اعتبار سے ایک ہیں مگر کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا۔ اور پھر کواکب اور نجوم، ثوابت اور سیارات شمس اور قمر اور زہرہ اور مریخ اور مشتری میں غور کیجیے۔ ہر ایک کی شان جدا، ہر ایک کا رنگ جدا، ہر ایک کی حرکت جدا اور حرکت کی سمت اور جہت جدا ہر ایک کا برج جدا، ہر ایک کا طلوع اور غروب جدا۔ اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خود بخود تو نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و قدیر اور مدبر حکیم کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے کہ وہ محض اپنے ارادہ اور مشیت سے اس کارخانہ کو چلا رہا ہے اور کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں۔ اور افلاک اور شمس و قمر کی حرکات سے منافع عالم کا مربوط ہونا یہ اس کی کمال رحمت کی دلیل ہے۔

(۲) اور علیٰ ہٰذا زمین کی پیدائش بھی اس کی وحدانیت اور رحمت کی دلیل ہے۔ زمین کے قطعات کا مختلف اللون اور مختلف الخاصیت ہونا کہ کسی زمین سے گھانس پیدا ہوا اور کسی سے انناس۔ اور کسی سے بادام پیدا ہوا اور کسی سے آم۔ کسی زمین کے بسنے والے عاقل اور دانا اور کسی جگہ کے بسنے والے ایسے کودن اور نادان کہ بعض چیزوں میں حیوان بھی ان سے بہتر نکلے یہ اختلافات کہاں سے آئے اور کس طرح آئے۔ زمین کا مادہ اور طبیعت تو ایک ہی ہے وہ کون ذات ہے کہ جس نے زمین کے ایک ٹکڑے کو شور اور بنجر بنایا اور دوسرے کو سبزہ زار اور مرغ زار بنایا یہ سب اسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس کی قدرت اور حکمت کے سمجھنے سے تمام عالم قاصر اور عاجز ہے۔ یہ دلیل تو وحدانیت کی ہوئی اور زمین رحمتِ خداوندی کی دلیل اس طرح سے ہے کہ تمام عالم کے بسنے والے اسی زمین پر چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اسی سے پیدا شدہ غذاؤں اور پھلوں اور چشموں اور نہروں سے نفع اٹھاتے ہیں اور تمام سونا اور چاندی وغیرہ وغیرہ سب اسی زمین میں اللہ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے۔ کانوں کا مختلف ہونا اس کی وحدانیت کی دلیل ہے اور ان کا نافع اور مفید ہونا اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ آسمان اور زمین علیحدہ علیحدہ بھی رحمت ہیں اور دونوں

مل کر بھی رحمت ہیں اس لیے آسمان اور زمین کے اختلاط اور تقابل سے جو منافع اور فوائد پیدا ہوتے ہیں،
ان کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

(۳) اور اسی طرح لیل و نہار کا مختلف ہونا کہ کبھی دن ہے اور کبھی رات۔ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا برعکس۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے یا کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے اگر دن نہ ہوتا اور فقط رات ہوتی تو تمام عالم مستمر اور دائم ظلمت اور تاریکی کی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا اور چلنا پھرنا مشکل ہوجاتا اور اگر رات نہ ہوتی فقط دن ہی دن ہوتا تو تمام عالم گرمی سے بلبلا اٹھتا اور کھیتیاں جل کر خاک ہوجاتیں اور اس راحت اور آرام سے کہ جو رات کی نیند سے اسے حاصل ہوتا ہے تمام جہان یکلخت محروم ہوجاتا۔ معلوم ہوا کہ لیل و نہار کا اختلاف جس طرح اس کی وحدانیت کی دلیل ہے اسی طرح اس کی رحمانیت کی بھی دلیل ہے۔

(۴) اور علی ہذا جہاز اور کشتی بھی اس کی قدرت اور رحمت کی دلیل ہے۔ ایک تولہ لوہا یا تانبا ایک منٹ کیلئے پانی پر نہیں ٹھیرتا مگر جہاز اور کشتی کہ جس میں ہزارہا من لوہا اور تانبا لگا ہوا اور لدا ہوا ہوتا ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہزارہا میل طے کر کے صحیح و سالم پہونچتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے۔

(۶،۵) اور علی ہذا آسمان سے باران رحمت کا نازل ہونا اور زمین کا اس سے سرسبز اور شاداب ہو جانا اور قسم قسم کے اشجار اور نباتات اور فواکہ اور ثمرات کا اس سے پیدا ہونا اور علی ہذا اس سے حیوانات کا ایسا مختلف اللون پیدا ہونا کہ ایک کی شکل اور صورت دوسرے کی شکل اور صورت سے نہ ملے یہ بھی اس کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے اس لیے کہ یہ اختلاف بے شمار فوائد اور منافع پر مشتمل ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے حیوانات دو قسم کے بنائے۔ ایک تو وہ کہ جو بطریق توالد اور تناسل پیدا ہوتے ہیں جیسے انسان اور اونٹ اور بیل اور بکری۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جو بطریق تولید پیدا ہوتے ہیں جیسے ہزارہا حشرات الارض مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اور ہزارہا مچھر اور جھینگر برسات کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں ہر ایک کی صورت اور شکل الگ اور ہر ایک کا رنگ الگ۔ جس سے باہمی فرق اور امتیاز کا نفع اور فائدہ ہوتا ہے اور یہ حق تعالیٰ کی عظیم رحمت اور مہربانی ہے۔ ورنہ اگر سب ایک رنگ اور ایک شکل کے ہوتے تو پہچاننا ممکن نہ تھا۔ اگر آدمی اور حیوانات باہم ممتاز نہ ہوتے تو کارخانۂ معاش معطل اور درہم برہم ہوجاتا

ایک انسان کے چہرہ میں غور کرو کہ آنکھ بھی ہے اور کان بھی اور ناک بھی ہے اور زبان بھی، سر بھی ہے اور دماغ بھی۔ ایک عجیب وغریب تصویر ہے۔ قویٰ عقلیہ اور حسیّہ کا مجموعہ ہے اور خداوند ذوالجلال کی قدرت اور کمال کا بے مثال آئینہ ہے اور آنکھ، کان اور زبان کے جو بے شمار فوائد اور منافع ہیں وہ اُس رحمٰن رحیم کی رحمتِ کاملہ کے دلائل اور براہین ہیں۔

حکایت

کسی نے فاروق اعظم رضؓ سے عرض کیا کہ شطرنج بھی عجیب کھیل ہے کہ باوجود مختصر سا طول وعرض ہونے کے ہزار مرتبہ بھی اگر کھیلا جائے تو ایک بازی دوسری بازی کے موافق نہ پڑے گی۔ تو جواب میں فرمایا کہ انسان کا چہرہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ باوجودیکہ آنکھ اور ابرو اور کان اور زبان وغیرہ وغیرہ کبھی اپنی معین جگہ سے سرِ مُو تجاوز نہیں کرتے مگر بایں ہمہ ہر فردِ بشر ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہے۔ خداوند ذوالجلال کی اس تقدیر اور تدبیر بے نظیر سے کارخانۂ عالم چل رہا ہے ورنہ اگر سب ہم شکل ہوتے تو باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو نہ پہچانتا۔ (تفسیر کبیر)

(۷) اور علیٰ ہٰذا ہواؤں کا بدلنا اور گرمی سے سردی کی طرف اور سردی سے گرمی کی طرف ان کا پھیرنا اور کبھی مشرق سے مغرب کی طرف اور کبھی شمال سے جنوب کی طرف اُن کا چلانا یہ سب اس کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ اور ہوا کا وجود عالم کے لیے عجیب رحمت ہے۔ بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ اگر تین دن تک ہوا بند رہے تو سارا عالم متعفن اور بدبودار ہو جائے۔

(۸) اور علیٰ ہٰذا بادل کا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رکھنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ بادل ہزار ہا ٹن پانی سے بھرا ہوا ہے مگر نیچے نہیں گرتا۔ بادل سر سے گذر رہا ہے مگر کسی کی مجال نہیں کہ اس میں سے ایک گلاس پانی ہی نکال لے، جہاں حکم ہوگا وہیں جا کر برسے گا۔

(باقی آئندہ)

قسط سوم

النُّور

از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

غرض محبت کی علامت میں نے بتلادی کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو۔ ولادت شریفہ کا بھی، رضاعت کا بھی۔ آپؐ کی سخاوت کا، عادات کا، عبادات کا۔ اور اس میں نہ کسی مہینہ کی کچھ تخصیص ہے نہ کسی مقام کی۔ پس میں بھی اس وقت ربیع الاول کی تخصیص سے یہ ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ گو اگر یہ تخصیص رسم لازم کے درجہ میں نہ پہونچتی تو اس تخصیص عملی کا بھی مضائقہ نہیں تھا۔ لیکن اب تو اس عارض لزوم علمی یا عملی کی وجہ سے اس کو اصلا پسند نہیں کرتا۔ یعنی ایسے شخص کے لیے بھی پسند نہیں کرتا جو معتقد لزوم کا نہ ہو۔ کیونکہ یہ خود اس کے لیے یا کسی دوسرے کے لیے اس لزوم تک مفضی ہو جائے گا۔[1] اور اس ناپسندیدگی اور ممانعت کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب مریض کو دو تولہ مصری کی بھی اجازت اس اندیشہ سے نہیں دیتا کہ مبادا یہ بجائے دو تولہ کے چار تولہ استعمال کرے اور پھر تکلیف اٹھائے۔

ہمارا مسلک مولد کے بارے میں

غرض ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بلا تخصیص لازم اس ماہ میں بھی جائز ہے۔ لیکن اجازت نہ دی جاوے گی۔ کیونکہ مطلقاً اجازت دینے کو آئندہ پھر اعتقاد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بس یہ ہے ہمارا مسلک اب اس کے سُن لینے کے بعد ہم پر جس کا جو جی چاہے تہمت لگائے۔ غرض اس وقت ذکر کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تخصیص زمانہ کی مقصود ہے بلکہ دو وجہ ہیں۔ ایک یہ[2] کہ اس وقت مختلف اطراف سے طاعون کی خبریں آ رہی ہیں۔ طاعون کا ایک متبرک علاج منجملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ہے۔

---

[1] یعنی رفتہ رفتہ وہ بھی ضروری سمجھنے لگے گا ۱۲

[2] اور دوسری وجہ وعظ میں یاد نہ رہی تھی گو وعظ میں اس کا بیان آ گیا تھا۔ مگر اس عنوان سے نہ آیا تھا۔ کہ دوسری وجہ یہ ہے۔ مگر بعد وعظ کے اثنائے مضمون میں خطوط وحدانیہ میں اُس کا اضافہ جامع سے کرا دیا گیا۔ چنانچہ عن قریب وہ مقام ملے گا ۱۲

اور یہ علاج تجربہ میں آیا ہے۔ یعنی میں نے ایک کتاب "نشر الطیب" لکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں۔ اُس کے لکھنے کے زمانہ میں خود اس قصبہ میں طاعون تھا تو میں نے یہ تجربہ کیا کہ جس روز اُس کا کچھ حصہ لکھا جاتا تھا اُس روز کوئی حادثہ نہیں سُنا جاتا تھا اور جس روز وہ ناغہ ہو جاتی تھی اُس روز دو چار اموات سننے میں آتی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اس کو اتفاق پر محمول کیا۔ لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی برکت ہے۔ آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ حصہ اس کا ضرور لکھ لیتا تھا۔ آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون ہونے کے متعلق اطراف وجوانب سے لکھا ہے تو میں نے اُن کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے کہ نشر الطیب پڑھا کرو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجلس منعقد کی جاوے اور اس میں مٹھائی منگائی جاوے اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سُنیں۔ کیونکہ ان التزامات میں تو علاوہ اور مذکورہ خرابیوں کے ایک یہ بھی کمی ہوگی کہ کبھی ہوگا کبھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس قدر التزامات کے ساتھ دوام مشکل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کی طرح سے روزمرہ اس کا بھی وظیفہ مقرر کر لیا جاوے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو دفعہ مقررہ تاریخوں پر کر لیا اہل محرم کی طرح اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔

حکایت مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک شاعر حلب میں پہونچا۔ وہاں شہر کے شیعہ ماتم کر رہے تھے۔ اُس نے پوچھا کہ آج کوئی مر گیا ہے؟ لوگوں نے کہا تو دیوانہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے تو شیعی نہیں۔ ارے یہ دن شہادتِ امام کا ہے۔ کہنے لگا اللہ اکبر! یہاں آج اتنے دنوں کے بعد خبر پہونچی ہے۔ یا تم لوگ سوتے تھے۔ اسی طرح ہمارے ان مدعیانِ محبتِ رسولؐ کی بھی یہی حالت ہے کہ سال بھر تک غافل رہتے ہیں پھر چونکتے ہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہر وقت کرو اور ایسی کتاب اپنے وظایف کی ساتھ رکھو مگر "مولود غلام امام شہید" یا اور غیر معتبر کتاب نہیں۔ اس قسم کی کتابیں تو بالکل بے سروپا ہیں اور بعض میں اشعار ایسے خرافات بھرے ہیں کہ نعت کے اشعار میں بعض مضامین کفر تک پہونچ گئے ہیں۔ نیز اُن کے پڑھنے والے بھی میں نے دیکھے ہیں کہ اور بدمست، تارک صلوٰۃ وصوم۔ آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ لوگوں کو اس قسم کے امور کی ذرا حس نہیں رہی۔ میں ایک جگہ بیان کرنے کے لیے گیا۔ اُس روز مجھے اتفاق سے زکام ہو رہا تھا۔ بیان سننے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ خوش الحان نہیں ہے۔ میں نے دل میں کہا

کہ بھائی میں ڈوم کا لڑکا نہیں ہوں کہ مجھ میں خوش الحانی ہوتی۔ خدا کا شکر ہے میں ایک شریف کی اولاد ہوں مجھے خوش الحانی اور بدالحانی سے کیا واسطہ؟۔

حکایت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے ابتدا، زمانہ میں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ایک شخص، شریف سید فن موسیقی میں کامل تھے۔ مولانا کو چونکہ ہر فن کی تحصیل کا شوق تھا۔ اس لیے مولانا نے چندے اُن سے اس فن کے اصول کو سیکھا تھا۔ لیکن اکثر ولے اگر کوئی معمولی نفع بھی کسی سے حاصل کرتے ہیں تو اُس دوسرے کو بھی دینی نفع پہونچاتے ہیں۔ اس پر مجھے ایک اور حکایت مسموعی یاد آئی:۔

حضرت سلطان جی کی حکایت

حضرت سلطان نظام الدینؒ بیمار ہوگئے تھے حتیٰ کہ خدام کو بالکل مایوسی ہوگئی تھی۔ اُس زمانہ میں دہلی میں ایک شخص رہتا تھا کافر، کہ وہ توجہ سے مرض کو سلب کر دیتا تھا۔ خدام نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو بلالیں۔ حضرت نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس میں سخت فتنہ ہوگا اور میرا کیا ہے زندہ رہا رہا، نہ رہا نہ رہا۔ اس کے بعد آپ کو پھر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اُسی حالت بے ہوشی میں خدام آپ کو اُس کے گھر لے گئے۔ اُس کے لیے تو حضرت رح کا تشریف لے جانا موجب فخر ہوگیا فوراً اُس نے توجہ کی اور حضرتؒ کا تمام مرض سلب کر دیا اُسی وقت حضرتؒ کو افاقہ ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ میں ایک ملحد کے مکان میں ہوں اور مرض بالکل زائل ہوگیا ہے۔ آپ سمجھ گئے اور خیال ہوا کہ:۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ اور کیا بدلا ہے نیکی کا مگر نیکی

اس کو بھی اس نفع کا صلہ دینا چاہیے۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ "میاں یہ کمال تم میں کس بات سے پیدا ہوا؟" اُس نے کہا کہ صرف ایک بات سے۔ وہ یہ کہ میرے گرو نے یہ کہہ دیا تھا کہ جس بات کو جی چاہے وہ نہ کرنا۔ بس میں یہی مجاہدہ کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا سچ کہنا کیا مسلمان ہونے کو جی چاہتا ہے؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر اسی قاعدہ کے موافق مسلمان ہو جانا چاہیے۔ کچھ تو حضرت کی توجہ کچھ اس تعلیم کا خیال۔ وہ ایسا مغلوب ہوا کہ کچھ بن نہ پڑا اور مسلمان ہوگیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ساتھ ساتھ ہولیا۔ غرض اللہ کے بندے ہر جگہ فیض ہی پہونچاتے ہیں۔ اسی طرح مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اُن سے سیکھی تو ہوگا ہفتہ دو ہفتہ ہی تک۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے بعد اُن کی ہدایت کا سامان پیدا ہوا۔ اس طرح سے کہ اُن کے پاس

ایک شخص آیا کہ وہ بھی اس فن میں ماہر تھا۔ اُس نے کچھ سُنانے کی فرمایش کی۔ انہوں نے سُنایا۔ جب سُنا چکے تو وہ کہنے لگا کہ سُبحان اللہ کیا گلا پایا ہے۔ یہ جملہ سُن کر اُن کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ افسوس اتنی محنت کا یہ صلہ ملا کہ میری وہ تعریف کی گئی جو ایک ڈوم کی ہو سکتی ہے اور عہد کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی اس نحل کام کے پاس بھی نہ جاؤں گا۔ بس مولانا کی برکت سے تائب ہو گئے۔ اور اخیر راگ یہ وطن کا رہا۔

تو آج کل لوگ خوش الحانی کو تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ میرے بیان میں یہ عیب نکالا کہ خوش الحان نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی انسان تو ہوں۔ آواز منہ سے نکلتی ہے دوسرے کے کانوں تک پہونچ جاتی ہے جو مضامین کی تبلیغ میں کافی ہے۔ میں خوش الحانی و بدالحانی کو کیا جانوں۔ اور میں تو اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آواز کے درست کرنے کے لیے گلے پر حلوے باندھے جاویں جیسا کہ آج کل بعض قرا کا معمول ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ قرآن خوش آوازی سے پڑھو اس لیے حلوا باندھتے ہیں۔ تو جناب جہاں حدیث پڑھی ہے اُس کی تفسیر بھی تو پڑھی ہوتی۔ اُسی حدیث میں راوی کہتے ہیں کہ خوش آوازی یہ ہے کہ پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہو کہ اس کے دل میں خدا کا خوف بھرا ہوا ہے۔ اور اگر بلغم کا صاف کرنا مقصود ہے تو میں اس کا دوسرا طریق بتلاتا ہوں۔ اُس طریق سے صاف کرو، عشقِ خدا پیدا کرو۔ بلغم اور سب رطوبات خود خاکستر ہو جاویں گی۔ خوب فرمایا ہے:۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتلِ غیرِ حق براند — در نگر آخر کہ بعدِ لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

باقی اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک شاعرانہ نکتہ ہے اس کو بلغم سے کیا واسطہ؟ تو سمجھو کہ یہ سب رطوبتیں ہیں اور محبت کی آگ میں زاید رطوبت ہی نہ رہے گی۔ آپ نے کبھی کسی عاشق کو موٹا نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن یہ مطلب نہیں کہ کوئی عاشق قدرتی موٹا بھی نہ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھا کھا کر بے فکری سے جو انسان پھول جاتا ہے وہ بات اُس میں نہ ہوگی۔ کیوں کہ وہاں تو ہر وقت خونِ جگر کھانا ہے تو اس نسخہ سے ویسے ہی گلا صاف رہے گا ایسے موٹے کی نسبت حدیث شریف میں ہے:۔

ان اللہ یبغض الحبر السمین — اللہ تعالےٰ کو موٹے عالم سے نفرت ہے۔

مگر وہی بےفکری کا پھولا ہوا۔ نہ وہ جو طبعی اور فطری ایسا ہو۔

لطیفہ

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میں اپنے لڑکپن میں شہر میرٹھ میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا۔ اور میرے قریب ہی ایک اور مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے وہ ذرا موٹے تھے۔ وہاں ایک شخص رجب علی تھے وہ ان مولوی صاحب سے اکثر مزاح کیا کرتے تھے۔ اس وقت وہ بھی آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اس قدر دُبلے کیوں ہو رہے ہو؟ میں نے ظریفانہ کہا کہ بھائی حدیث میں ہے کہ: ان اللہ یبغض الحبر السمین اس واسطے میں دبلا ہوں۔ اور مجھ کو یہ خیال نہ رہا کہ یہاں مولوی صاحب موٹے بیٹھے ہیں۔ رجب علی ان مولوی صاحب کی طرف منہ کرکے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب آپ سُنتے ہیں۔ اُس وقت مجھے تنبہ ہوا کہ یہ بھی بیٹھے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوا اور میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جو کھا کر بے فکری میں موٹا ہو۔ کہنے لگے کہ جناب اب آپ جو مطلب چاہیں بیان کریں۔ باقی حدیث مولوی صاحب پر صادق آ ہی گئی۔

خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے مگر مطلب حدیث کا یہی ہے کہ جو بے فکر کھا کر موٹا ہو۔ غرض نسخۂ عشق سے بلغم میں زیادتی ہی نہ ہوگی۔ پھر یہ کہ حلوا گلے کے اندر جانے کے لیے بنا ہے نہ کہ گلے کے اوپر باندھنے کے لیے۔ ہاں! اگر کوئی ایسا کرے کہ باندھ کر پھر کھا بھی لے، تو دوسری بات ہے۔ لیکن اس کو کون کرے گا۔ اگرچہ میں نے بعض ایسے لطیف المزاج لوگوں کی حکایت بھی سُنی ہے کہ اُنہوں نے پان منہ سے نکال کر رکھ دیا اور کھانا کھا کر پھر اُس کو کھا لیا۔ تو خوش الحانی کے وہ معنی نہیں ہیں جو حلوا باندھنے سے حاصل ہو بلکہ اس کے وہ معنی ہیں کہ جو اوپر مذکور ہوئے کہ اگر کوئی اس کو پڑھتے ہوئے سُنے تو یوں سمجھے کہ خوفِ خدا سے اس کا قلب لبریز ہے۔ مگر لوگ آج کل خوش الحانوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ چنانچہ پڑھنے والے اپنے ساتھ خوش آوازوں کو رکھتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار مرد اور نوجوان لڑکے رکھتے ہیں کہ وہ گلے ملا ملا کر گاتے ہیں۔ سو ان رسوم کو تو چھوڑو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تو غذا ہے۔ اس میں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے؟

حضورؐ کے ذکر کا طریق

بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی کتابیں لے کر جن میں صحیح حالات ہوں اگرچہ ان میں ایک شعر بھی نہ ہو اُس کو روزانہ پڑھا کرو۔ اس لیے میرا بہت روز سے جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صحیح معتبر کتاب لکھ دوں۔ چنانچہ بحمد اللہ وہ کتاب تیار ہو گئی۔ (اور دیوبند میں چھپ بھی گئی) اور میں نے اس کتاب میں اس کی بھی رعایت کی ہے کہ اس میں غذا کے ساتھ

ؔ۵ کتاب کا نام "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" ہے ۱۲

تفریح کا سامان بھی کر رکھا ہے۔ یعنی میں نے اُس میں اشعار بھی لکھے ہیں اور بہت کثرت سے ہیں۔ یعنی کتاب میں اکتالیس "۴۱" فصلیں ہیں ہر فصل کے اخیر میں اشعار لکھے ہیں اور نہایت لذیذ اشعار عربی کے ہیں اور اُن کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ لکھ دیا ہے تو جس کا جی چاہے اس کتاب کو اپنے پاس رکھے کہ یہ ان شاء اللہ اس کے لیے بہت مفید ہوگی۔ مگر اس کو مجلسوں میں ان رسوم کے ساتھ نہ پڑھا جاوے۔ بلکہ بطور وظیفہ کے قرآن شریف کے بعد پڑھ لیا جاوے۔ جیسا میں نے اوپر مجنوں کی حالت ذکر کی ہے کہ ؎

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم خاطر خود را تسلی مے کنم

تو مجنوں نے کیا لیلےٰ کی سال گرہ کی تھی؟ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لیے قیود کیسے؟ وہ تو ہر وقت کا وظیفہ ہونا چاہیے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات بہت ہی کم کرتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یاد کریں وہ تو محب ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جاوے کیسا غضب ہے۔ صاحبو! کہاں گیا انصاف اور دین؟ اب چاہتے ہیں کہ ذکر بھی اگر ہو تو دوسروں کو دکھلا کر ہو۔ بھائی! محبت میں دکھلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی اولاد کے لیے انسان محبت سے کیا کچھ نہیں کرتا، مگر کیا کسی کو دکھلاتا پھرتا ہے؟ غرض یہ معمول کر لو کہ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو۔ اگر خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سُن لیا کرو اور گھر میں روزانہ پڑھ کر سُنایا کرو اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو۔ دیکھیں تو کون منع کرتا ہے۔ تم تو اپنے ہاتھوں منع کراتے ہو۔ صاحبو! یہ تو ذکر مستحب ہے (گو عشاق کے نزدیک فرض عشقی ہے مگر فتوے کی رُو سے تو مستحب ہی ہے) نماز بھی جو کہ فرض ہے از روئے فتوی بے ڈھنگے پن سے پڑھی جاوے تو اُس سے بھی منع کیا جاوے گا۔ اور مشروع طور پر ذکر کرنا خود قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھو اسی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے۔

آیتِ مذکورہ کی برکت کا بیان

اور میں نے اسی لیے اس وقت اس آیت کو پڑھا ہے کہ اس سے آپ کے ذکر کو بھی ثابت کر دوں اور اس کا طریق اور آداب بھی بتلا دوں۔ بس آپ اس ذکر شریف کے برکات حاصل کیجیے۔ اُن برکات میں سے ایک برکت دفع طاعون بھی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ (اور بعد وعظ کے فرمایا کہ اس آیت کے اختیار کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی جس کو وعظ میں بیان کرنا یاد نہیں رہا کہ آپ کے ذکر ولادت سے متعلق

لوگوں میں آج کل بہت سے منکرات اور اختراعات شائع ہو گئے ہیں. جن سے عملاً و اعتقاداً لوگوں کی حالت خراب ہو گئی. اور اُن منکرات کا ارتکاب اِس مہینہ میں اکثر کیا جاتا ہے. اس لیے بھی اس وقت یہ مضمون لکھنا کیا گیا کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ شریعت میں ان کا کہیں ثبوت نہیں ہے) غرض آیت سے ذکر شریف بھی ثابت ہوا اور آداب پر بھی تنبیہ موجود ہے. کیونکہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے:۔

يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے جو کوئی تابع ہوا اُس کی رضا کا بچاؤ کی راہ پر اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور اُن کو چلاتا ہے سیدھی راہ۔

سو اصل غرض آپؐ کی بعثت[1] سے یہ ہے کہ ہدایت ہو صراطِ مستقیم کی. تو جو امر صراطِ مستقیم کے خلاف ہو گا وہ اس مقصود کے منافی[2] اور قابلِ ترک ہو گا اور اُن ہی امور غیر مستقیمہ[3] سے ایک تخصیص لازم بھی ہے بس بناء اس وقت کے ذکر کی تخصیص ربیع الاول کی نہیں ہے جیسا اوپر بھی عرض کر چکا ہوں. اور اس عدم تخصیص سے ربیع الاول کی فضیلت کا انکار نہ سمجھا جاوے. کیونکہ فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس زمانہ فاضل کو بلا دلیل شرعی جس عبادت کے لیے چاہے خاص کر لیا جاوے. پس ربیع الاول میں فضیلت ہو مگر اس کی تخصیص ذکر نبویؐ کے لیے ثابت نہیں جیسے جمعہ کے روزہ کی تخصیص کی ممانعت حدیث میں آئی ہے باوجودیکہ اُس کے فضائل بھی وارد ہیں. چنانچہ حدیث میں اس کی فضیلت میں آیا ہے:۔

فِيْهِ وُلِدَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ هُبِطَ اِلَى الْاَرْضِ۔

اسی دن آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی دن میں جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن میں زمین پر اترے

آدم علیہ السلام کا دنیا میں نزول فرمانا نعمت ہے

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کون سی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے. تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھیے. حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی اگر حضرت آدم جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نکلتا کیونکہ جو ممانعت اُن کو ہوئی تھی چونکہ وہ شجرہ قابل نہی کے تھا،

[1] حضورؐ کو نبی بنا کر بھیجنے سے ۱۲ [2] خلاف ۱۲ [3] غیر مناسب ۱۲

وہی ممانعت ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بھی بہت لوگ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خوب آباد ہوتی۔ وہاں اس کے ماں، باپ بھائی، بیٹے، بیوی بچے بھی ہوتے اور ان سب سے علیحدہ کرکے اس کو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ کے ہوجاتی اس لیے اللہ میاں نے وہاں سے سب کو رخصت فرمادیا۔ یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے سخت تکلیف ہوتی

باقی خود حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لیے بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفاتِ کمال اور اس کے آثار کا علم ہوجاوے۔ اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہوجاوے۔ تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی۔ لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ مُنعِم کہ اس صفت کا اس وقت تو مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اُس وقت نہ تھا۔ مثلاً تَوَّاب[1] کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے۔ تو جنت سے علیحدہ کرکے خداتعالیٰ کو حضرت آدمؑ کی تکمیلِ عرفان مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی تکمیل تھی اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی ارشاد ہوا کہ کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ کہو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا کہ دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی۔ اور اس کمال معرفت کی مصلحت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے کیونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ غرض حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے آنا بھی نعمت ہے۔ پس یہ بھی وجوہ فضائل جمعہ سے ہوا۔ تو دیکھیے جمعہ کے بارے میں باوجودیکہ یہ فضائل خود حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس دن میں تخصیص صوم[2] کی ممانعت ہے تو ربیع الاول کے فضائل تو منصوص بھی نہیں تو اس میں تخصیص ذکر کی اجازت کیسے ہوگی؟ (باقی آئندہ)

---

[1] توبہ قبول فرمانے والا ۱۲ [2] جمعہ کے دن کو خصوصیت سے روزہ رکھنا ۱۲

قسط پنجم

ملفوظات
ملقب بہ
الکلام الحسن

از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہم العزیز
(جمع کردہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور)

(۱۱۷) فرمایا کہ بیعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ شیخ کی طرف سے التزام[1] تربیت اور مرید کی طرف سے التزام طاعت ہو۔ فقط لفظوں میں کیا رکھا ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔

یہ بیع[2] کی طرح ہے کہ تعاطی سے بھی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مرید بھی التزام کرے طاعت کا تو بیعت ہو گئی۔ بلکہ مرید تو اعتقاد اور التزام کو نہ چھوڑے گو پیر کہہ دے کہ تو میرا مرید نہیں ہے۔ تو بھی مرید رہے گا۔ گویا مریدی مرید کے قبضہ میں ہے۔ عورت کو خاوند طلاق دے سکتا ہے۔ مگر پیر مرید کو طلاق نہیں دے سکتا۔ ہاں مرید پیر کو طلاق دے سکتا ہے۔ جیسے عورت ارتداد[3] کی حالت میں خاوند کو طلاق دے جاتی ہے۔ مرید اور مرتد میں صرف نقطوں کا فرق ہے۔

(۱۱۸) فرمایا کہ جب پیر ناراض ہو تو فیوض بند ہو جاتے ہیں گو مریدی باقی رہتی ہے اس لیے کوشش کرکے شیخ کو راضی رکھنا چاہیے۔

(۱۱۹) فرمایا کہ تھانہ بھون میں ایک گاڑی بان ہے۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رات کو کچھ کچھ بارش تھی اور میں جنگل میں تھا۔ کہیں سے گاڑی لا رہا تھا تو ایک عورت خوب صورت، زیور پہنے ہوئے

---

[1] یعنی شیخ تو مرید کی اصلاح اور تربیت کو اپنے ذمہ سمجھے۔ اور مرید شیخ کی اطاعت و فرمانبرداری کو ۱۲

[2] "بیع تعاطی" یعنی اگر خریدنے والا دکان دار کے پاس سے کوئی چیز اٹھالے اور اس کی قیمت اس کو دیدے اور دونوں زبان سے کچھ نہ کہیں تب بھی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیعت بھی ۱۲

[3] اسلام سے پھر جانا ۱۲

راستہ پر بیٹھی دیکھی۔ بجلی چمکی تو نظر آئی۔ پھر پھلانگ کر میری گاڑی پر سوار ہو گئی۔ اس وقت میں نہ سمجھا۔ بعد میں خود ہی اُتر گئی اور میرا نام لیا تو میں سمجھا کہ بھوت ہے۔ بس میں بے ہوش ہو گیا اور گاڑی کو بیل گھر لے گئے فرمایا کہ میں نے اُس سے کہا کہ جب ایسا موقعہ ہو تو اذان کہہ دو تو فوراً چلے جاویں گے۔

(۱۲۰) فرمایا کہ لوگ میت کے بعد قبر پر اذان کہتے ہیں۔ شاید فرشتوں کو ڈراتے ہیں (مطلب یہ کہ ایسا کرنا بے اصل ہے)

(۱۲۱) فرمایا کہ خلوت بایں وجہ پسند کرے کہ لوگ میرے شر سے بچیں۔ یہ قصد نہ ہو کہ میں لوگوں کے شر سے بچوں۔ اور اپنے عیوب اور لوگوں کو ستانا یاد کر کے یہ نیت کرے۔

(۱۲۲) فرمایا کہ جب کوئی صالح[1] انتقال کرتا ہے تو میرا خیال فوراً ادھر جاتا ہے کہ اس سے مواخذہ نہ ہوا ہو اور اگر کوئی عاصی[2] فوت ہوتا ہے تو خیال اِدھر جاتا ہے کہ درگذر ہو گئی ہوگی۔ کبھی اس کا تکلف[3] نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے اس میں میری اصلاح فرمائی ہے۔

(۱۲۳) فرمایا کہ مدرسہ دینی کا مہتمم عالم ہونا چاہیے۔ جاہل سے اہتمام نہیں ہو سکتا۔ کان پور کے مدرسہ کا مہتمم جاہل تھا۔ ایک طالب علم گنگوہ سے گیا۔ داخلہ کا وقت نکل چکا تھا۔ طالب علم شرح مائۃ پڑھتا تھا۔ میں نے مہتمم سے کہا کہ اس کی روٹی مقرر کر دو۔ اس نے کہا کہ کیا پڑھتا ہے؟ میں نے کہا کہ شرح مائۃ۔ کہا یہ حدیث کی کتاب ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں کوئی حدیث تو اس میں بھی ہوگی۔ فرمایا کہ میں نے گناہ کیا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔

(۱۲۴) فرمایا کہ انگریزی میں علوم نہیں۔ عربی میں علوم ہیں۔

(۱۲۵) ایک شخص نے خط میں دریافت کیا کہ سحر کا وقت کب تک ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ہر روز کی افطاری اور سحر جدا جدا ہے۔ جس دن کا دریافت کرنا ہو اس دن کا غروب لکھو۔ پھر میں بتلا دوں گا۔

(۱۲۶) فرمایا کہ علما۔ تو نسخہ بتلا دیتے ہیں اور مشائخ راہ پر چلا دیتے ہیں۔

(۱۲۷) فرمایا کہ بزرگ کو عاصی پر اتنا غصہ نہیں آتا، جتنا مدعیِ تقدس[4] پر آتا ہے۔ کیونکہ یہ کبر ہے اور کبر سب گناہوں کی جڑ ہے۔

---

[1] نیک آدمی ۱۲ [2] گنہ گار ۱۲ [3] یعنی ہمیشہ یوں ہی ہوتا ہے ۱۲

[4] جو شخص اپنے تقوے اور پرہیز گاری کا دعوے کرتا ہو ۱۲

(۱۲۸) فرمایا کہ نظرِ بد محبت سے بھی لگ جاتی ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ بزرگوں کی نظر سے فائدہ ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں؛ جب فائدہ کا قصد کریں۔

(۱۲۹) فرمایا کہ نعماء[۱] میں اگر توفیقِ شکر میسر ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ نعماء اس شخص کے حق میں خیر ہیں اور اگر غفلت ہو تو یہ علامت ہے کہ اس کے لیے یہ ابتلاء[۲] ہے۔ اور مصائب میں اگر صبر کی توفیق ہو تو یہ بھی خیر ہے اور جزع، فزع اور شکایت نشان ہے اس کا کہ اس کے حق میں یہ خیر نہیں ہے۔

(۱۳۰) فرمایا کہ اہلِ جُبّہ نے قُبّہ کا ذکر شروع کر دیا ہے۔

(۱۳۱) فرمایا کہ اب ترقی اور جاہ اس کو جانتے ہیں جو یورپ کی نظر میں جاہ ہو۔ یورپ نے تو سب کچھ اسلام سے لیا ہے۔ اگر تم یورپ کی تقلید کرتے ہو تو اسلام کی باتوں میں کرو۔

(۱۳۲) فرمایا کہ حضرت انسؓ کا مذہب جماعتِ ثانیہ تھا۔ اب چونکہ اس کے خلاف اجماع ہو گیا ہے اس واسطے پہلے کا عمل مرتفع ہو جائے گا۔

(۱۳۳) فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو حدیثوں میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نصف النہار میں آفتاب۔

(۱۳۴) فرمایا کہ "صاحب ہدایہ" حافظ حدیث تھے۔ ان کو حدیث کے حوالہ کی ضرورت نہ تھی۔ صرف تنبیہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا جتنا وہ لکھ گئے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں چونکہ تدین نہیں اس واسطے اب تو سطر، صفحہ سب کچھ لکھا جاوے تاکہ دوسرا دیکھ سکے۔

(۱۳۵) فرمایا کہ اہلِ بدعت میں سے ایک مولوی صاحب تھے (جن کا نام محمد عمر تھا) انہوں نے ایک وعظ میں کہا کہ واللہ آمین بالسر کے بارے میں ایک لاکھ سے زیادہ احادیث ہیں۔ تو ایک شاگرد نے اپنی جگہ پر ان سے کہا کہ ایسی بات کیوں کہی۔ کہا کہ حدیث عرض ہے اور ہر محدث کے ساتھ علیحدہ علیحدہ قائم ہے۔ اس واسطے ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔

ان ہی مولوی صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے کہا کہ مجھ سے مناظرہ کر لو۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ مناظرہ سے دو غرض ہیں۔ ایک یہ کہ وضوح[۳] حق کے بعد حق قبول کر لینا۔ سو اس کی تو آج کل امید نہیں

---

[۱] خداتعالیٰ کی نعمتوں میں ۱۲ [۲] امتحان ۱۲ [۳] حق بات واضح ہونے پر ۱۲

دوسری غرض یہ ہے کہ دوسرے پر غلبہ حاصل ہو. تو اس کو میں پورا کر دیتا ہوں. پھر بلند آواز سے کہا کہ صاحبو! یہ بہت بڑے مولوی ہیں. ان کے سامنے ہم جاہل ہیں۔

(۱۳۵) فرمایا حیدر آباد سے ایک شخص کا خط آیا ہے۔ درخواست کی ہے کہ میں تھانہ بھون حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ پہلے میرا مذاق معلوم کر لو تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو. میرا مذاق وہ ہے جس کو حیدر آباد کی اصطلاح میں "وہابیت" کہتے ہیں. کسی نے کہا کہ شاید آکر ٹھیک ہو جائے۔ فرمایا کہ بیٹھ کر ہو جائے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ "سمجھ کر آنا" اور "آکر سمجھنا" میں فرق ہے۔

(۱۳۶) فرمایا کہ دنیا داروں سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی دو چار طالب علموں سے خوشی ہوتی ہے. کیوں کہ دنیاداروں کا کیا پتہ ہے. ع

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔

دنیاداروں کو کیا پتہ؟۔

(۱۳۷) فرمایا کہ ایک حجام پر ایک بادشاہ ناراض ہو گیا کہ وقت پر حجامت نہیں کی. اُس حجام نے بادشاہ کے نوکر سے کہا کہ جب بادشاہ سو جائے تو مجھ کو خبر کر دینا. اُس نے بادشاہ کے سوتے سوتے حجامت بنا دی. اس بات سے بادشاہ نے خوش ہو کر اس کو "استاد" کا لقب دیا. حجام کی بیوی نے کہا کہ خوشی تو تب ہوتی کہ چار حجام مل کر تجھے استاد کا لقب دیتے۔

(۱۳۸) فرمایا کہ طمع اور خوف حق گوئی سے منع کر دیتا ہے مگر اہل اللہ کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ سمجھتے ہیں۔

(۱۳۹) فرمایا کہ امراء کو مرید کرنے کی فکر نہ کرنی چاہیے. کیونکہ مرید تو اس کو کرے جس کو کم از کم یہ تو کہہ سکے کہ "تیری حرکت نالائق ہے اگرچہ تو نالائق نہیں"۔

(۱۴۰) فرمایا کہ محلہ میں سے چنے کا ساگ میں خود مانگ لیتا ہوں. لوگ خوشی سے لا دیتے ہیں۔ اور دال بھی۔

(۱۴۱) فرمایا کہ ۱۲ ربیع الاول کو وفات کی تاریخ مقرر کرنی کسی طرح درست نہیں. کیونکہ حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ۹ ذی الحجہ یوم جمعہ کو ہوا اور دو شنبہ کو انتقال ہوا. تو ۱۲ تاریخ کسی طرح نہیں بنتی. علی گڈھ کالج سے ایک طالب علم نے یہی سوال کیا تو میں نے یہ جواب دیا کہ ۱۲ تاریخ حدیث سے ثابت نہیں. صرف دو شنبہ

ثابت ہے۔

(۱۴۱) فرمایا کہ فقہاء جو کہتے ہیں کہ فاتحہ نماز میں واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بجمیع حروفہا واجب ہے اور تکرار یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ کر دوبارہ پڑھے۔

(۱۴۲) فرمایا کہ شیخ پر واجب ہے کہ مرید پر نکیر کرے۔ مرید نے جب اطاعت کا التزام کیا ہے تو یہ ضرور تعلیم کرے۔

(۱۴۳) فرمایا کہ اتنا روپیہ پاس رکھتا ہوں کہ ڈنٹھ مروڑ کر سکوں۔

(۱۴۴) فرمایا کہ دہلی سے ایک پارسل آیا تھا جس میں کپڑے تھے۔ بہت قیمتی۔ شال، اچکن، صدری وغیرہ تھیں۔ مگر صدری سے مجھ کو شبہ ہوا کہ شاید مستعمل ہے اور ان کے ہاں ایک میت بھی ہوئی تھی۔ مجھ کو شبہ ہوا کہ میت کے ہیں۔ میں نے اُن کو خط لکھا کہ کپڑے پہونچ گئے ہیں۔ چند امور قابلِ دریافت ہیں۔ اول یہ کہ یہ کپڑے مرحوم کے ہیں یا نہیں۔ اگر مرحوم کے ہیں تو وارثوں کا مال ہے کیوں بھیجے۔ اگر مرحوم کے لیے نہیں تھے اپنے لیے بنائے تو بھی کیوں بھیجے۔ غرض یہ لکھ دیا کہ جواب دیجیے۔ کچھ جواب نہ آیا۔ پھر دوسرا خط لکھا اور لکھ دیا کہ اگر جواب نہ آیا تو واپس کر دوں گا۔ پھر واپس کر دیے ایک آدمی کی معرفت اور اس کو کہہ دیا کہ ہرگز واپس نہ لانا۔

(۱۴۵) فرمایا کہ خدا تعالیٰ مولویوں کو غناء ظاہری یا غناء قلبی عطا فرماویں۔

(۱۴۶) فرمایا کہ والد صاحب نے ہماری تربیت مشائخ کی طرح کی۔ بچپن سے مجھ کو عربیت پر لگایا اور بھائی کو انگریزی پر۔ تائی صاحبہ نے والد صاحب سے کہا کہ یہ کہاں سے کھائے گا؟ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ تجھے معلوم نہیں۔ مگر انگریزی پڑھے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے اور یہ کسی کو منہ بھی نہ لگائیگا اور بچپن میں ہم کو کبھی دعوت پر نہیں لے گئے۔ میں اور بھائی دونوں دنگا کرتے تھے مگر مجھ کو کبھی نہیں پیٹا بھائی کو پیٹا۔ جب میں بڑی بڑی کتابیں پڑھنے لگا تو خط میں مجھ کو مولوی صاحب کر کے لکھا کرتے تھے۔

(۱۴۷) فرمایا کہ چالاکی اور چیز ہے اور عقل اور چیز ہے۔ کیونکہ چالاکی مذموم ہے

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ بے شک تم عورتوں کا کید (چالاکی) بہت بڑا ہے

سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا کید بڑا ہے۔ اور حدیث میں ہے:۔

هُنَّ نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ عورتیں کم عقل ہوتی ہیں۔

تو عقل کو تو ناقص اور کید کو عظیم فرمایا ہے۔

(۱۴۸) فرمایا کہ قاضی شریح نے استنباط کیا کہ جوان سے سوال کرنا چاہیے اور بوڑھے سے نہ کرے. کیونکہ اخوۃ یوسف علیہ السلام نے باپ سے مغفرت کا مطالبہ کیا تو:۔

سَاَسْتَغْفِرُ عن قریب (تمہارے لیے) مغفرت طلب کروں گا۔

فرمایا اور یوسف علیہ السلام سے مطالبہ کیا تو فرمایا:۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج تم پر کوئی الزام نہیں ۔

مگر یہ استنباط درست نہیں. کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے استغفار کا موقعہ تلاش کیا تھا۔

(۱۴۹) فرمایا کہ بعض نے استنباط کیا ہے کہ عورتوں کا مکر شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ شیطان کے کید کو ضعیف فرمایا اور عورتوں کے کید کو عظیم فرمایا. مگر یہ استنباط درست نہیں. کیونکہ شیطان کا مکر حق تعالیٰ کی قوت کے مقابلہ میں ضعیف ہے. جیسا کہ آیت کے شروع سے معلوم ہوتا ہے. ورنہ عورتوں کو شیطان ہی تو تباہ کرتا ہے۔

(۱۵۰) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ علم کے حصول کے لیے شرط ہے کہ اُستاد کا ادب کرے اور تقویٰ حاصل کرے پھر علم آتا ہے۔

(۱۵۱) فرمایا کہ دعاء مغفرت مُردہ کے لیے تو مفید ہے کیونکہ وہ خود عاجز ہے. مگر زندہ تو خود توبہ کرلے

(۱۵۲) فرمایا کہ لوگ آکر نصف بات کرتے ہیں. یہ خیال کرتے ہوں گے کہ عالم الغیب ہے. عالم الغیب تو نہیں۔ البتہ عالم العیب ہوں. نصف بات سے ان کے عیب کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۱۵۳) فرمایا کہ لوگ اصلاح کو سختی کہتے ہیں۔ اگر اصلاح سختی ہے تو پھر اصلاح کیسے کروں؟

(۱۵۴) فرمایا کہ بس آج کل تو عقائد درست ہوں۔ داڑھی ہو اور پاجامہ چڑھا ہوا ہو تو اس کو جنید بغدادی سمجھتے ہیں خواہ اعمال کیسے ہی ہوں اور ہم اس کو اُشتر بغدادی کہتے ہیں۔

(۱۵۵) فرمایا کہ ماموں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب تک زندہ ہو قدر نہیں ہوتی اور جب مر جائیں تو پھر رحمۃ اللہ اور کچھ مدت کے بعد قدس سرہ۔ مُردوں کی قدر ہوتی ہے۔ مردوں کی قدر کیا ہوتی حالانکہ مرنے سے کمال منقطع ہو جاتے ہیں۔

(۱۵۶) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت تکلیف ہوتی تھی کہ کفار نہیں مانتے اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَنْ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ شاید آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے بوجہ اس کے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور یوں نہیں فرمایا کہ :۔

عَلٰی ضَرَرِهِمْ وَشَتْمِهِمْ [1] ان کی ایذا اور بد کلامی پر۔

(۱۵۷) فرمایا کہ جب کسی شخص کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی زینت کے اہتمام میں لگا رہتا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ یہ اندر سے خالی ہے اس واسطے بنتا ہے۔ باکمال کو اس سے استغنا ہوتا ہے۔

(۱۵۸) فرمایا کہ مظفر نگر میں ایک ہندو نے لیکچر میں کہا تھا کہ ہم جب انگریزوں سے ترکِ موالات کریں گے تو پھر ان کا رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اور ہم کی تفسیر یہ کی کہ ہ سے مطلب ہندو اور م سے مراد مسلمان ہیں۔ لوگ بڑے خوش ہوئے۔ پھر ایک ہندو نے کہا کہ م اس واسطے لمبا ہے کہ عرب سے مسافت کر کے آیا اور ہ سے مراد ہندو ہے اور ہندو اس ملک کے باشندے ہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان یہ سوال کرے کہ ہ کو میم کے سر پر کیوں چڑھا دیا تو پھر کیا جواب ہوگا؟ سب خرافات ہیں۔

(۱۵۹) فرمایا کہ اس اعتراض کا کہ مسلمان کے مذہب کا دارومدار آلہ تناسل پر ہے۔ کیونکہ ختنہ کرتے ہیں تو اس سے مسلمان ہو جاتے ہیں۔ ایک ولایتی نے بہت عمدہ جواب دیا کہ جس چیز پر کسی کی بنیاد ہوتی ہے اس کو وہ قطع نہیں کرتا۔ مسلمان تو اس کو قطع کرتے ہیں اور ہندو اس کو باقی رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہندو مذہب کی بنیاد اسی پر ہے۔

(۱۶۰) فرمایا کہ تاوقتیکہ خود تحقیق نہ کر لوں دستخط نہیں کرتا۔ جی نہیں چاہتا کہ محض کسی کے لکھنے پر دستخط کر دوں۔

(۱۶۱) فرمایا کہ جواب شرح صدر کے بعد دینا چاہیے۔ اگر جزئیہ نہ ملے تو لکھ دے کہ جواب قواعد کی بنا پر دیا گیا جزئیہ نہیں ملا۔ اور علماء سے بھی دریافت کر لو تاکہ بوجھ نہ رہے۔

(۱۶۲) فرمایا کہ وظیفہ اس غرض سے پڑھنا بے کار ہے کہ دنیا ملے۔ اس کام کے لیے تو تدبیر کرنی چاہیے۔ اولاد کے لیے وظیفہ نہیں کرتے بلکہ تدبیر کرتے ہیں۔

(۱۶۳) فرمایا کہ "خسرو" اور "مولانا جامی" معلوم ہوتا ہے کہ ہم عصر تھے۔ خسرو نے ایک شخص کو جس کا

---

[1] یعنی خدا تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ "شاید آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے ان کی ایذا رسانی کی وجہ سے" ۱۲

نام" ادریس" تھا مولانا جامیؒ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اگر تمہارا نام پوچھیں تو تم پہلے کھڑے ہو جانا۔ پھر رکوع کرنا۔ پھر داڑھی سے پانی چھڑک دینا۔ چنانچہ جب وہ گئے مولانا جامیؒ نے نام دریافت کیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مولانا جامیؒ بہت ذہین تھے۔ فوراً کہہ دیا کہ "ادریس" ہے۔

(۱۶۴) "حکمت کی یہ کتابیں جو میں نے لکھی ہیں ان کو دیکھ کر بعض لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور بعض کفر تک کا فتویٰ لگاتے ہیں"۔ (یہ ایک خط آنے پر فرمایا تھا۔ جب خط پڑھا اس میں ایک درزی نے لکھا تھا کہ مجھ کو آپ سے اللہ کے واسطے بہت محبت ہے)

(۱۶۵) فرمایا کہ جب ہندو "سلام" کہتے ہیں تو میں "جناب" کہہ دیتا ہوں۔ اور دل میں یہ سمجھتا ہوں کہ "جنابت" سے مشتق ہے۔ کیونکہ وہ غسل نہیں کرتے۔ اور "سلام" اگر کہوں تو یہ ارادہ ہوتا ہے کہ ہم کو حق تعالیٰ کفر سے سلامت رکھیں۔ اور "سلام" میں بھی کیا حرج ہے۔ اور "آداب" کے معنی یہ ہیں کہ آباؤ اجداد یا ہندو کو جواباً اشارہ کر دے۔

(۱۶۶) فرمایا کہ "مولوی محمد اسمٰعیل صاحب" ایک مولوی تھے ریاست بھوپال میں۔ انہوں نے کسی عورت کو مسلمان کر لیا اور حیرت ہے کہ وہاں پر انگریزی قانون ہے کہ مسلمان کرنا جرم ہے۔ مولوی صاحب پر مقدمہ چلا۔ جج ان کا واقف تھا۔ اس نے اپنی جگہ پر سمجھایا کہ تم انکار کر دینا۔ انہوں نے کہا کہ موقع پر دیکھا جائے گا۔ مقدمہ کی تاریخ آئی۔ جج نے پوچھا تم نے مسلمان کیا ہے؟ کہا میں نے نہیں کیا یہ خود مسلمان ہو گئی۔ اس جج نے کہا کہ تم نے اس کو کلمہ پڑھایا؟ کہا ہاں۔ جج نے کہا بس یہی ہے مسلمان کرنا۔ کہا کہ یہ قانون غلط ہے۔ میں اس قانون کو نہیں مانتا۔ کیونکہ جب اس نے اسلام کا عزم کر لیا تھا تو اسی وقت سے مسلمان ہو گئی تھی۔ جج بڑا حیران ہوا۔ اس نے مسل کسی بڑے حاکم کے پاس بھیج دی۔ حاکم نے لکھ دیا کہ جب یہ قانون ہی کو نہیں مانتا تو خواہ مخواہ اس کو قانون کے تحت کیوں لاتے ہیں۔ بس رہا ہو گئے۔ پھر جو عورت مسلمان ہونا چاہتی ان کے پاس آجاتی۔

(باقی آئندہ)

قسط چہارم

فتح الغفور

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ اَمَّا بَعْد

ہم دیباچہ میں بیان کرچکے ہیں کہ منظومۃ التثبیت عند التبییت مولفہ امام سیوطیؒ کی مختلف علماء نے شرحیں لکھیں۔ من جملہ ان کے ایک شرح علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر یمانی کی ہے جس کا نام جمع التشتیت لشرح ابیات التثبیت ہے۔ علامہ موصوف نے اس شرح سے فارغ ہونے کے بعد یہ ارادہ فرمایا کہ شیخ سیوطیؒ کے رسالہ بشری الکئیب کو نظم کرکے اس منظومہ سابقہ کا تتمہ اور تکملہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ علامہ یمنی نے اس کو نظم کیا اور اس منظومہ کا نام تانیس الغریب رکھا۔ جس کی شرح اب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

المنظومۃ

المسماۃ

بتانیس الغریب

للسید العلامۃ محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی التَّوْفِیْقِ (۱) لِشَرْحِ ھٰذَا النَّظْمِ بِالتَّحْقِیْقِ

حمد اور شکر ہے اللہ کا کہ اس نے اس منظومۃ القبور کی شرح کی توفیق عطا فرمائی۔

شرحاً بدیعاً قد حوی نفائساً (۲) زففتها للاذکیاء عرائساً

ایسی شرح کی توفیق عطا فرمائی کہ جو بحمدہ تعالیٰ نہایت لطیف ہے اور نفائس اور لطائف پر مشتمل ہے گویا کہ اذکیا کے لیے ایک عروس کا ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔

ثم رأیت بعد شرح النظم (۳) ان اذیل نظمہ بنظمی

شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی نظم کی شرح کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ اس نظم کا ایک ذیل اور تکملہ ہونا چاہیے۔ وہ یہ کہ علامہ سیوطیؒ کی منظومۃ القبور کے اشعار باب ترہیب سے ہیں۔ اور قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب کو بھی لاتے ہیں۔ اس لیے ارادہ کیا کہ

لما حوی بشری الکئیب فاستمع (۴) عسیٰ بلقیاک الحبیب تنتفع

شیخ جلال الدین سیوطیؒ کے رسالہ بشری الکئیب بلقاء الحبیب کو نظم کر دوں اس لیے کہ اس کے مضامین باب ترغیب سے ہیں۔ اس طرح یہ منظومۂ ترغیب گذشتہ منظومۂ ترہیب کا ذیل اور تکملہ بن جائے گا۔

بیان ما ورد من خیریۃ الموت للمؤمن وما یناسب ذلک

(مومن کے لیے موت کا خیر اور بہتر ہونا)

قد قال خیر الخلق ما معناہ (۵) تحفۃ من یؤمن فی لقیاہ

برگزیدہ خلائق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن بندہ جو لقاء خداوندی پر ایمان رکھتا ہے موت اس کے لیے بہترین تحفہ ہے کہ دار رنج وغم سے نکال کر دار عیش ونعم کی طرف اس کو منتقل کر دیتا ہے۔

للموت ما من راحۃ سواہ (۶) ریحانۃ غنیمۃ تلقاہ

موت سے بڑھ کر مومن کے لیے کوئی راحت نہیں۔ موت مومن کے لیے ایک ریحانہ اور غنیمت کبریٰ ہے۔

وانما الدنیا لہ کالسجن (۷) ان مات لم یبق لہ من حزن

دنیا مومن کے لیے بمنزلہ جیل خانہ کے ہے۔ مرنے کے بعد جیل خانہ سے چھوٹ جاتا ہے۔ کوئی غم باقی نہیں رہتا۔

وَاِنَّهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْفِتَنِ (۸) وَفِي الْحَيٰوةِ لَا يَزَالُ فِيْ مِحَنٍ

اور بلاشبہ موت دینی اور دنیوی فتنوں سے کہیں بہتر ہے۔ زندگی میں طرح طرح کی محنتیں اور مشقتیں ہیں۔

وَالْمَوْتُ كَفَّارَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (۹) يَا حَبَّذَا يَا حَبَّذَا مِنْ مَغْنَمٍ

موت مسلمان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ قبضِ روح میں جو سختیاں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں انہی سے صدہا گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ موت کیا ہے مالِ غنیمت ہے۔

مَنْزِلُهٗ بَعْدَ الْمَوْتِ اَوْسَعُ (۱۰) وَقَبْرُهٗ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَرْفَعُ

مرنے کے بعد کی منزل نہایت وسیع اور بلند ہے۔ دنیا کو اس منزل سے وہی نسبت ہے جو شکم مادر کی منزل کو دنیا کی وسعت سے نسبت ہے۔ جس طرح جنین ولادت کے بعد شکم مادر کی طرف واپسی کو پسند نہیں کرتا اسی طرح مومن مرنے کے بعد دار دنیا کی طرف واپسی کو پسند نہیں کرتا۔

تسليم الله تعالى على من في السياق من المؤمنين وتسليم الملائكة عليهم

(مومن کو مرتے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا سلام)

قال تعالیٰ:- تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ ۔ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝

وَفِي السِّيَاقِ بِالسَّلَامِ يُلْتَقٰى (۱۱) مِنْ رَّبِّهٖ وَمِنْ اُولٰٓئِكَ الْمَلَا

حدیث میں ہے کہ جب فرشتے مومن کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو مومن کو سلام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام پہونچاتے ہیں۔ مومن کو چاہیے کہ ایسے وقت میں اللہ کے سلام کا اس طرح جواب دے:- اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام۔

يَلْقَوْنَ بِالْبُشْرٰى وَبِالْاَكْفَانِ (۱۲) وَالرَّوْحِ وَالرَّيْحَانِ وَالرِّضْوَانِ

فرشتے جس وقت مومن کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو روح کے لیے جنت کے ریشمی کفن لے کر

آتے ہیں اور روح اور ریحان اور رضا خداوندی کی اس کو خوش خبری دیتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ وقال تعالیٰ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ○

ثُمَّ عَلَیْہِ الْاَرْضُ تَبْکِیْ وَالسَّمَا (۱۳) اِذْ کَانَ یَاْتِی الْخَیْرُ عَنْہُ فِیْھِمَا

پھر اس مُردہ پر آسمان اور زمین روتے ہیں۔ کیونکہ آسمان میں مومن کے لیے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک دروازہ وہ ہے جس سے مومن کا عمل صالح اوپر چڑھتا ہے اور دوسرا دروازہ وہ ہے کہ جس سے اس کا رزق اُترتا ہے۔ مرنے کے بعد دونوں دروازے اس کو روتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ کافروں پر نہ آسمان روتا ہے نہ زمین روتی ہے

مَعْرِفَۃُ الْمَیِّتِ مَنْ یُّغَسِّلُہٗ وَیَحْمِلُہٗ وَیُکَفِّنُہٗ وَیُدْخِلُہٗ قَبْرَہٗ

(مُردہ کا اپنے غسل دینے والے اور اٹھانے والے اور کفن دینے والے اور قبر میں اُتارنے والے کو پہچاننے کا بیان)

یَعْرِفُ مَنْ یَّغْسِلُہٗ وَیَحْمِلُ (۱۴) وَیُلْبِسُ الْاَکْفَانَ اَوْمَنْ یُّنْزِلُ

حدیث میں ہے کہ مُردہ اس شخص کو خوب پہچانتا ہے جو اس کو غسل دیتا ہے اور اس کا جنازہ اٹھاتا ہے اور اس کو کفن پہناتا ہے اور قبر میں اُتارتا ہے۔

تَرْحِیْبُ الْقَبْرِ بِالْمَیِّتِ وَلُطْفُ ضَمَّۃٍ لَہٗ

(قبر کا میت کو مرحبا کہنا اور محبت سے اس کو دبانا)

لَہٗ اِلٰی قَبْرِہٖ مُرَحِّبٌ (۱۵) یَضُمُّہٗ ضَمَّ الْحَبِیْبِ الْمُعْجَبِ

زمین آدمیوں کی ماں ہے۔ سب اسی سے پیدا ہوئے ہیں۔ مومن جب طویل غیبت کے بعد زمین میں جاتا ہے تو قبر اس کو مرحبا کہتی ہے اور محبت سے اس کو اس طرح دباتی ہے جیسے ماں بچہ کو دباتی ہے۔ مومن

ل: ویمکن ان یکون منہما ۱۲

کے ساتھ محبت کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اور کافر کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا معاملہ ہوتا ہے۔ قبر اس کو سختی سے دباتی ہے۔

صلوٰۃ الاموات فی قبورھم

(مُردوں کا قبروں میں نماز پڑھنا)

وَرُبَّمَا صَلَّوْا بِهٖ اَحْیَانًا (۱۶) وَفِیْهِ اَیْضًا قَرَؤُا الْقُرْاٰنَا

بعض مُردے اللہ کی اجازت سے کبھی کبھی قبر میں نماز اور قرآن بھی پڑھتے ہیں۔

تزاور الاموات فی قبورھم

(مُردوں کا قبروں میں ایک دوسرے کی زیارت کرنا)

وَبَعْضُهُمْ فِیْهَا یَزُوْرُ بَعْضًا (۱۷) وَحَسِّنُوا الْاَکْفَانَ مِنْ تَقَضَّا

حدیث میں ہے کہ مُردے آپس میں ایک دوسرے اپنے کفنوں میں ملاقات کرتے ہیں۔ لہٰذا کفن اچھا دیا کرو۔ یعنی سفید اور پاک وصاف کفن میں کفناؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ گراں قیمت کفن دیا کرو؛

معرفۃ الاموات من اتاھم وانسھم وردھم السلام علیھم

(مُردوں کا اپنے زائرین کو پہچاننا اور اُن سے مانوس ہونا اور اُن کے سلام کا جواب دینا)

وَیَعْرِفُوْنَ مَنْ اَتَاهُمْ زَائِرًا (۱۸) وَیَأْنَسُوْنَ اِنْ اَتَی الْمَقَابِرَا

حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور اس پر سلام کرے تو اگر مردہ اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے بیٹھنے سے اس کو اُنس ہوتا ہے۔

وَسَلِّمُوْا رَدًّا عَلَی الْمُسْلِمِ (۱۹) فِیْ اَیِّ یَوْمٍ قَالَهُ ابْنُ الْقَیِّمِ

اور اگر سلام کرے تو سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور اس میں کسی دن کی تخصیص نہیں۔ جمعہ ہو یا جمعرات جس دن بھی مردہ کی زیارت کروگے اور سلام کروگے مردہ اس کو پہچانے گا اور سلام کا جواب دے گا جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے کہا ہے۔

الکلام فی الروح وحقیقتہ

(روح کی حقیقت اور صفت میں کلام)

وَاعْلَمْ بِاَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ (۲۰) اَكْثَرُهَا لِلرُّوحِ لَا لِلذَّاتِ

جاننا چاہیے کہ انسان روح اور بدن سے مرکب ہے۔ اور جو صفات انسان کے لیے بیان کی جاتی ہیں وہ صفات اکثر روح کی ہیں۔ جسم کی نہیں۔

فَاصْرِفْ عِنَانَ الْقَوْلِ نَحْوَ الرُّوحِ (۲۱) ثُمَّ حَالَهُ بِالْحَقِّ وَالصَّحِيحِ

لہٰذا قلم کی باگ روح کی حقیقت اور صفت کے بیان کی طرف پھیرنی چاہیے۔ تاکہ روح کے بارے میں کتاب و سنت سے جو حق اور صحیح ہے وہ واضح ہو جائے۔ ناظم علیہ الرحمہ نے روح کے متعلق چار مسئلے ذکر فرمائے ہیں:۔

فَالرُّوحُ جِسْمٌ حَادِثٌ نُورَانِي (۲۲) حَيٌّ خَفِيفٌ مُسْرِعُ السَّرَيَانِ

(پہلا مسئلہ) یہ ہے کہ روح ازروئے کتاب و سنت ایک جسم لطیف و نورانی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ روح حادث ہے قدیم نہیں۔ روح اس قدر لطیف اور خفیف ہے کہ نہایت سرعت کے ساتھ اعضاء میں سرایت کر جاتی ہے۔

يَنْفُذُ فِي الْاَعْضَا نُفُوذَ النَّارِ (۲۳) فِي الْفَحْمِ اَوْ كَالْمَاءِ فِي الْاَشْجَارِ

روح جسم لطیف ہونے کی وجہ سے انسان کے تمام اعضاء میں اس طرح جاری اور ساری ہے جس طرح کہ آگ کوئلہ میں اور پانی درخت میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

روح کے بارے میں علماء کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق یہ کہتا ہے کہ روح امور رب میں سے ایک امر ہے جو غیر محسوس ہے اور عقول کے ادراک سے بالا اور برتر ہے۔ وہاں تک عقل کی رسائی نہیں اس کی حقیقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ یہی قول ابن عباسؓ کا ہے اور یہی جنید بغدادیؒ کا مختار ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس اخفاء حقیقت میں حکمت یہ ہے کہ بندوں کو اپنا عجز ظاہر ہو جائے کہ جب وہ اپنی حقیقت کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو کہاں معلوم کر سکتے ہیں۔

ایک فریق علماء کا یہ کہنا ہے کہ اگرچہ پوری حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر کتاب و سنت کے نصوص سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح پانی سبز لکڑی میں اور عرق گلاب، گلاب کے پتوں میں اور روغن زیتون، زیتون کے پھلوں میں۔ اور آگ کوئلہ میں سرایت کیے ہوئے ہے اس لیے کہ آیات اور احادیث میں روح کے لیے توفی اور امساک اور ارسال اور تناول اور اخراج اور خروج اور قبض اور اخذ اور دخول اور رجوع اور حریری یا پلاسی کفن میں اس کا لپیٹنا بکثرت آیا ہے۔ اور یہ تمام صفات اجسام کی ہیں اور علیٰ ہٰذا عالم برزخ میں روح کا چلنا اور پھرنا اور کھانا اور پینا بھی احادیث میں آیا ہے۔ یہ بھی صفات اجسام کی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں یہی قول صحیح ہے اور کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے۔ کذا فی شرح العقیدۃ السفارینیۃ صفحہ ۲۶ ج ۲ و شرح الصدور صفحہ ۲۱۵۔

دوسرا مسئلہ

یہ پہلے مسئلہ کے متعلق کلام تھا۔ رہا دوسرا مسئلہ یعنی روح کا حادث ہونا تو روح باجماع انبیاء و مرسلین و صحابہ و تابعین و علماء ربانیین مخلوق اور حادث ہے۔ اس کے حدوث میں کسی کا خلاف نہیں۔ البتہ وقت حدوث میں خلاف ہے کہ آیا روح جسم سے پہلے پیدا ہوئی یا جسم کے ساتھ روح پیدا ہوتی ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ ارواح اجسام سے پہلے پیدا کی گئیں لیکن مدت معلوم نہیں کہ کتنی مدت پہلے اجسام سے پیدا کی گئیں۔ دارقطنی کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ارواح، اجسام سے دو ہزار برس پہلے پیدا کی گئیں۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم (شرح العقیدۃ السفارینیۃ صفحہ ۴۲ ج ۲)

روح اور جسم کا مناظرہ

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ قیامت کے دن روح کا جسم سے جھگڑا ہوگا۔ روح جسم سے یہ کہے گی کہ جو کچھ کیا وہ تو نے کیا۔ جسم روح کو یہ جواب دے گا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ تیرے حکم اور تیری ترغیب سے کیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ بھیجیں گے۔ وہ فرشتہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور یہ کہے گا کہ تم دونوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی تو مفعد یعنی اپاہج ہے مگر بینا ہے آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دوسرا نابینا ہے مگر تن درست ہے چلنے پھرنے پر قادر ہے۔ یہ دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اس بینا اپاہج نے اس نابینا تن درست سے یہ کہا کہ میں یہاں قسم قسم کے پھل دیکھتا ہوں، مگر اپاہج ہونے کی

وجہ سے پھلوں تک پہونچ نہیں سکتا۔ نابینا نے یہ کہا کہ تو مجھ پر سوار ہوجا اور جاکر پھلوں کو توڑ۔ چنانچہ وہ اپاہج اُس نابینا پر سوار ہوا اور جاکر پھل توڑے۔ فرشتہ نے کہا بتلاؤ۔ ان میں سے کس نے حد سے تجاوز کیا؟ کہا کہ دونوں مجرم اور قصوروار ہیں۔ فرشتہ نے جسم اور روح سے کہا کہ تم نے خود اپنے اوپر فیصلہ کرلیا۔ یعنی جسم روح کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے۔ اخرجہ ابن مندۃ عن ابن عباس واخرجہ الدارقطنی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک روایت میں ہے کہ جسم روح سے یہ کہے گا کہ میں تو کھجور کے تنہ کی طرح ایک لکڑی تھا۔ نہ ہاتھ ہلا سکتا تھا نہ پیر۔ روح کہے گی کہ میں تو ایک ہوا تھی۔ اے جسم اگر تو نہ ہوتا تو میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قسط پنجم

دعوۃ الرشاد

از مولانا عبدالحمید صاحب ارشد

(۲) اعمال و اخلاق اور ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتصریحِ قرآن ہمارے لیے واجب الاتباع "اسوۂ حسنہ" قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ "اسوۂ حسنہ" پوری تفصیل و جامعیت اور التزامِ صحت کے ساتھ "حدیث" میں محفوظ ہے۔ قرآن جستہ جستہ واقعات پر ضرور مشتمل ہے۔ لیکن وہ شخصی سوانحِ حیات نہیں کہ اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی جملہ تفصیلات کو درج کیا گیا ہو۔ لہٰذا "احادیثِ صحیحہ و مصدقہ علماءِ فنِ حدیث" کا ماننا از روئے دین واجب و لازم ہے۔

(۳) قرآنی علوم و معارف اور احکام کی تعلیم اور تبیین و تفسیر کا اولین منصب بنصِ قرآن[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا ہے۔ لہٰذا آپؐ کی تعلیمات و ہدایات ہی قرآنی علوم کی آئینہ دار اور ان کی صحیح ترین "علمی و عملی تعبیرات" ہیں۔

(۴) قرآن نے آپؐ کی "حیاتِ طیبہ" کو "سراجِ منیر" (قرآنی انوار کو بکھیرنے والا روشن آفتاب) قرار دیا ہے۔ لہٰذا لاریب آپؐ کی زندگی شک و شبہ کے اندھیروں کو دور کر دینے والی اور وضاعین کے کذب و وضع کے پردوں کو چاک کرنے والی ٹھیری۔ جس سے آپؐ کی زندگی کے "جملہ انوار" اور آپؐ کی "پیغمبرانہ حکمت و صداقت" "صحاح کے مستند مجموعوں" کی صورت میں "عالمین" کی ہدایت و رحمت کے لیے پورے آب و تاب سے نمودار ہوئے والحمد للہ۔

ہم فقہائے اسلام کے "اجتہادی مسائل" کو "جو انہوں نے کتاب و سنت سے معقول اصول" کی بنا پر استخراج کیے ہیں) اُن میں ترجیح و اختیار کا حق رکھتے ہوئے اسی لیے تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کا ارشاد ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل، ۴۳)

حفظ و ضبط اور علم والے لوگوں سے پوچھ لیا کرو۔ اگر تم خود (کوئی بات) نہیں جانتے ہو۔

لہٰذا قرآن حدیثِ صحیح اور اہلِ علم و ورع کی فقہ پر عمل کرنا قرآن پر عمل کرنا ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کی ہدایت و ارشاد کی اتباع ہے۔ اور اس کی مخالفت قرآن کی مخالفت ہے۔

(۵) کہنے کو تو یہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ "دین کے لیے قرآن کافی ہے جو کامل کتاب ہے اور جس میں دین مکمل کر دیا گیا ہے۔"

(اسلم جیراج پوری، طلوع اسلام ۲۲ اگست ۱۹۵۰ء)

---

[1] لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل، ۴۴)

کَلِمَۃُ حَقٍّ یُّرَادُ بِھَا الْبَاطِلُ (ایک حق بات سے باطل کی تائید چاہتے ہیں) کیونکہ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ (یعنی حدیث) دینی تاریخ ہے۔ خود اس کو دین سمجھنا صحیح نہیں۔" (ایضاً صفحہ سابق) ساتھ ہی ہم کہتے ہیں کہ "قرآن کے کافی ہونے" کا یہ مطلب کب ہے کہ "پرویزی و چکڑالوی خواہشات" کو "قرآن" مان لیا جائے اور قرآن سے متعلق "پیغمبرانہ تبیین" اور "عملی تعبیر" کو دین سے (معاذ اللہ) خارج کیا جائے۔ "پرویزی تعبیر" تو دین ہو اور "محمدی تعبیر" خلافِ دین!! حاشا و کلّا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ "حدیث" اسوۂ حسنۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلات کی محافظ ہے جس کی پیروی کا قرآن بار بار حکم دیتا ہے۔ قرآن کا یہ "حکم" دین ہے۔ لہٰذا "اسوۂ حسنہ" کی حامل و محافظ (حدیث) بھی دین ہے اور دینی حجت۔ یہ ہے ہم جمہور مسلمانوں کا مسلک۔ مخالفین بتائیں کہ اس میں کون سی چیز قرآن اور اسلام کے خلاف ہے؟ پرویزیوں کا مسلک رنگین بیانی اور لایعنی طوالت کو چھوڑ کر جو کچھ ہے اُس کا حاصل مختصر الفاظ میں یہ ہے:۔

"حدیث" اور "اسلامی فقہ" کا انکار۔ قرآن میں معنوی تحریف و الحاد۔

ڈھٹائی ملاحظہ ہو

کہ اس کے ساتھ دعویٰ یہ ہے:۔ (۶) "ہمارا مقصد یہ ہے کہ ابتداءً پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے" الخ (ط صفحہ ۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء) (ادارہ) یہ لوگ "حدیث" کو "عجمی سازش" "روایاتی جھوٹ[۱]" وغیرہ کہہ کر جھٹلاتے ہیں اور "فقہ" کو ملوکیت سے مفاہمت[۲] اور ساز باز کا نتیجہ بتا کر رد کرتے ہیں۔ یہی لکھا ہے:۔ (۷) "اس کی (یعنی فقہ کی) تدوین ہی خالص ملوکیت کے زمانہ میں ہوئی تھی" (ط صفحہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

ذہنی انتشار

ذہنی انتشار اور فکری تضاد کا یہ ایک نہایت ہی مضحکہ خیز نمونہ ہے کہ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں:۔ (۸) "اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکزِ ملت ہے"۔ اس سے ایک سطر پہلے لکھا ہے "اور اس[۳] کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی" (پرویز م ح ج ۴ صفحہ ۶۵۴) (۹) "وہ (قرآن) اصولی امور وضع کر دیتا ہے تاکہ ان کے اندر رہتے ہوئے انسان اپنے اپنے زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تبعی احکام (Bye Laws) خود متعین کرتا جائے" (ایضاً صفحہ ۶۴۹) "جزئیات کا تعین مرکزِ نظامِ دین کے ذمہ ہوتا ہے اور سابقہ متعین شدہ جزئیات میں تغیر و تبدل کا حق اسے ہی پہنچتا ہے" (ایضاً صفحہ ۶۹۳ بتغیر و اختصار)

دوسری طرف محدثین اور فقہاء پر یہ الزام تراشتے ہیں کہ انہوں نے فقہ جو تدوین کی سو یہ ملوکیت سے ساز باز کی۔

---

[۱] ط صفحہ ۳۱، ۳۲ جنوری ۱۹۵۲ء۔ [۲] پرویز نے بھی م ح صفحہ ۶۹۳ پر محدثین پر اسی "مفاہمت" کا الزام تراشا ہے ۱۲ ارشد۔ [۳] یعنی امام یا خلیفہ کی اطاعت ۱۲۔

ظاہر ہے کہ اس وقت کے سلاطین و امراء اور فقہاء ہی اپنے اپنے وقت کے "مرکزِ ملت" ہوں گے اور آپ کے عندیہ کے مطابق کسی مرکزِ ملت کو تنفیذِ احکام، جزئیات کے تعین اور ان میں وقتی مصالح کی بنا پر ردوبدل کا حق حاصل ہے۔ اور آپ اس میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین فرمودہ جزئیات کے متعلق بھی لکھا ہے۔ (۱۰) "بعد میں آنے والے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق ان میں ردوبدل کر سکتے ہیں" (پرویز قم ج ۳ ص ۶۹۳) پھر ان پر سازباز اور مفاہمت کا طعنہ کیسے؟ آپ کے قول کے مطابق تو یہ اُن کا حق ہے پھر یہ طعنہ دینا (جب کہ آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل اور سند بھی نہیں) کہ انہوں نے "ملوکیت" کی خوشنودی کی خاطر ایسا کیا "فکری تضاد" نہیں تو اور کیا ہے؟ پرویز نے اس کے بعد جو یہ لکھا ہے:-

(۱۱) "پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس مقصدِ عظیم (یعنی تعین، تغیر و تبدلِ جزئیات) کے لیے مرکزِ نظام حکومت ایسا ہونا چاہیے جسے بجا طور پر جانشینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جا سکے۔ (پرویز ، ، ص ۶۹۳ و ص ۶۹۴)

اس "بجا طور پر" سے غالباً یہی مراد ہے کہ وہ (مرکز) "پرویزی فکر" کا ہم نوا اور خود ساختہ "دینِ پرویزی" کا پرستار ہو۔ ورنہ (کوئی بھی دوسری صورت ہو) کہا جائے گا کہ یہ ملوکیت و پیشوائیت کا گٹھ جوڑ ہے (مثلاً لکھا ہے "ان لوگوں (محدثین وغیرہ) نے ملوکیت جیسی لعنت سے طوعاً و کرہاً مفاہمت کر لی تھی"۔ (ایضاً ص ۶۹۳)

ایک اور تضاد

ایک طرف لکھا ہے۔ (۱۲) "اور انحطاط کے زمانہ میں، جب کہ صورت یہ ہو گئی ہو کہ

ہر لئیمے رازدارِ دینِ بُدست

تقلید اجتہاد سے بہتر ہوتی ہے" الخ۔ اس سے پہلے لکھا ہے:- (۱۳) "جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تو مرکزِ نظامِ سلطنت میں ملوکیت کی سب خرابیاں آ گئیں۔ اس لیے اربابِ بصیرت نے اس مرکز کو اس کا اہل ہی نہیں سمجھا کہ وہ متعین شدہ جزئیات میں کسی قسم کا تصرف کر سکے۔ دین کے نقطۂ نگاہ سے یہ زمانہ انحطاط تھا"۔ اور انحطاط کے زمانے میں — الخ تقلید، اجتہاد سے بہتر ہوتی ہے (مسلسل عبارت ص ۱۲) (پرویز قم ج ۳ ص ۶۹۳)

ملوکیت کی تعریف بھی کر دی ہے۔ لکھا ہے:- "(۱۴) ملوکیت ہر اس نظام کا نام ہے جس میں دنیاوی امور کے لیے قانون کا سرچشمہ قرآن سے الگ ہو۔ خواہ اس کی شکل بادشاہت کی ہو یا جمہوریت کی"۔ (پرویز کا مقالہ "اسباب زوال امت" مندرجہ طلوعِ اسلام ص ۹۳ (حاشیہ) ماہ جنوری و فروری ۱۹۵۰ء و فروری ۱۹۵۲ء)

ان تصریحات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج بھی زمانۂ انحطاط[1] ہے اور تقلید (ان کے قول کے مطابق) اجتہاد سے بہتر ہے۔ اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بتا دی ہے:۔

(۱۵) "تاکہ اگر امت زمانہ کے ساتھ چلنے سے معذور ہو چکی ہے تو کم از کم خود غرضانہ اجتہادات کے تباہ کن نتائج سے ہی محفوظ رہ جائے۔ (پرویز تم ج ۴ ص ۶۹۴)

دوسری طرف اسی "خود غرضانہ اجتہادات" کا دروازہ (اسی دورِ انحطاط میں) یوں کھولتے ہیں:۔

(۱۶) "لہٰذا خود "امام اعظم" کی تقلید" بھی اسی میں ہے کہ جس طرح انہوں نے خود اجتہاد کیا تھا ہم بھی خود اجتہاد کریں جس طرح ان کے دور میں نئے نئے حالات پیش آتے تھے اور ان کے لیے انہیں نئے نئے استنباطات کرنے پڑتے تھے اسی طرح ہمارے دور میں بھی نئے نئے حالات[2] پیدا ہو رہے ہیں اور ہمیں بھی ان کے متعلق خود فیصلے کرنے چاہییں۔ الخ (ط ص ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

ایک اور فریب

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مستند مجموعوں (صحاح و مسانید وغیرہ) کو یہ "پرویزی گروہ" "عجمی سازش" "روایاتی جھوٹ" وغیرہ کہہ کر جھٹلاتے رہتے ہیں (حوالے کے لیے دیکھو اقتباسات مندرجہ ص ۱۴)

لیکن عوام کے احتساب سے بچنے اور بعض دوسرے مصالح کے پیشِ نظر "منکرِ حدیث" اور "جدید اسلام کے بانی" (وغیرہ کلمات) کے اپنے اوپر اطلاق و استعمال سے بہت ہی جھجکتے ہیں۔ چنانچہ نہایت ہی فریب کارانہ انداز میں ان کو لکھنا پڑا:۔

(۱۷) "طلوعِ اسلام نہ مقامِ رسالت کا منکر ہے اور نہ مقامِ حدیث کا۔" (ط ص ۱۶ اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء)

بظاہر تو یہ انکار سے گریز اور پہلو تہی کی کوشش ہے۔ لیکن "مقامِ رسالت" اور "مقامِ حدیث" کے الفاظ میں بھی وہ دجل و فریب کی ایک چال چل گئے ہیں۔

جمہور مسلمان "قرآنِ کریم" کی روشنی میں "مقامِ رسالت و حدیث" جو متعین کر چکے ہیں وہ کچھ اور ہے

---

[1] پرویز نے "اسبابِ زوالِ امت" میں اس پستی و زبوں حالی کا رونا رویا ہے۔ مگر علاج الٹا بتایا ہے کہ مذہب ہی کو چھوڑ دیں۔ ادھر زمانۂ انحطاط میں تقلید کو بہتر بتایا ہے اُدھر مذہب کو تقلید کی بنا پر "ائمہ پرستی" سے تعبیر کیا ہے اور تمام پستی کا ذمہ دار قرار دے کر اسے چھوڑنے کی تلقین کی ہے۔ یہ کیا تضاد ہے کہ تقلید بہتر بھی ہو اور پستی کا باعث بھی؟

[2] بتایا جائے کہ وہ کون سے حالات ہیں؟ ۱۲

اور پرویزیوں کا بتایا ہوا کچھ اور۔ جمہور مسلمان احادیثِ صحیحہ ثابتہ کو "دینی حجت" اور ہر معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپؐ کے احکام وقضایا کو ہمیشہ کے لیے واجب العمل قرار دیتے ہیں (جہاں منسوخ ہونے کی صورت میں ناسخ پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں) اس کے برخلاف "پرویزی گروہ" کا اصرار ہے کہ

(ا) "اب خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے مراد یہی جدید مرکزِ ملت کی اطاعت ہوتی ہے۔"

(ب) "لہٰذا نظامِ دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں[1]"

(ج) احکام وقضایا وجزئیات جن کا تعین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، ان کے متعلق لکھا ہے "بعد میں آنے والے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اُن میں رد وبدل کرسکتے ہیں" اور یہ کہ "آپؐ کی زندگی کا ہر ہر واقعہ آنے والوں کے لیے نمونہ نہیں۔" (پرویز تم ج ۴ ص ۶۹۲)

حدیث کے متعلق (جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں بحوالہ اقتباسات ص ۱۲[2] (ل تا ذ) ان کا بیان ہے:۔ کہ "حدیث پر نہ ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔" "اُن کی (یعنی احادیث کی) حیثیت دینی نہیں، بلکہ تاریخی ہے۔" (الیٰ غیر ذٰلک من الاباطیل والاکاذیب)

مختصر یہ کہ ان کے نزدیک احادیثِ رسولؐ کا مقام ہے:۔ "غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز" (اسلم جیراج پوری اقتباس ص ۱۲ ل) کیا یہی وہ "مقامِ رسالت اور مقامِ حدیث ہے" جس کے متعلق لکھا ہے:۔ کہ "طلوعِ اسلام نہ مقامِ رسالت کا منکر ہے نہ مقامِ حدیث کا ـــــ"؟ پھر یہ عبارت بھی ہے:۔ "اسے (یعنی طلوعِ اسلام کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کہنا کتنا بڑا جھوٹ ہے" (اقتباس ش)

سُنیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "رسالت" صرف قرآن کے "الفاظ وکلمات" نہیں۔ بلکہ اُن کی "تبیین وتفسیر" بھی آپؐ کی "رسالت" میں شامل ہے۔ کیونکہ قرآن کا ارشاد ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

اے رسولؐ! ہم نے "الذکر" یعنی کتابِ موعظت (قرآن) تیرے پاس اس لیے اُتارا ہے تاکہ تیرے ذریعے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کی شخصیت وسیرت پر بھی انحصار نہیں۔ بحوالہ اقتباس ۱۴ (م) ۱،۲۔

[2] یہ "ریمارکس" ان احادیث کے متعلق نہیں جنھیں ائمہ فنِ تنقید نے اصولِ درایت وروایت کے ماتحت ضعیف، منکر یا موضوع قرار دیا ہے۔ بلکہ اُن صحاح کے متعلق ہیں جن کی صحیح فنی اصول کی بنا پر تصدیق وتوثیق ہر زمانہ کے اہلِ علم کرتے چلے آئے ہیں ۱۲ ارشد

يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (النحل، ۴۴)

جو آیات وسُوَر لوگوں کو نازل کر کے دیے گئے ہیں اُن کے مطالب و معانی کی توضیح و تبیین بھی (اپنے قول و عمل سے) آپؐ ان کے لیے کر دیں اور تاکہ وہ (آپؐ ہی کی اسی تبیین و تفسیر کی روشنی میں مزید) غور و فکر سے استنباط کریں۔

لہٰذا آپؐ کی اس "تبیین" کو جو "صحیح احادیث" یا "عملی تواتر" یا دونوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے واجب العمل یا "دینی حجت" نہ ماننا رسالتِ محمدیؐ اور قرآن کا انکار ہے (والعیاذ باللہ) اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (النحل، ۶۴)

یعنی ہم نے قرآن آپؐ پر اُتارا ہی اس لیے ہے کہ اگر لوگ کتابِ الٰہی یا دینِ الٰہی میں کوئی اختلاف یا کوئی نزاع کھڑا کریں (یا ماضی میں جو اختلافات ان میں رُونما ہوئے) ان سب میں آپؐ ہی حق بات واضح کر دیں اور آپؐ کا بیان فیصلہ کن ہو۔ یہ کتاب سراسر ہدایت و رحمت ہے ایمان داروں کے لیے۔

یہ کہنا درست ہے کہ "رسول اللہ صؐ نے قرآن کی اتباع فرمائی لہٰذا قرآن کی اتباع ہی رسول اللہ صؐ کی سُنت ہے"۔ (اقتباس ۷)

اب سوال یہ ہے کہ قرآن کی اتباع کی صحیح صورت وہ ہے جو رسول اللہ صؐ نے پیش کی۔ یا وہ جو آج، پرویزی فکر و نظر کے دل دادگان پیش کر رہے ہیں؟

قرآن نے خود فیصلہ کر دیا کہ جملہ اعمالؑ و اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہی قرآن کی پیروی ہےؐ۔ اس کے خلاف جو بھی صورت ہو وہ قرآن کی پیروی نہیں بلکہ صریح گمراہی ہے۔

ع فرمایا ہے:- وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا الآیہ یہ مال غنیمت یا فئے وغیرہ سے مخصوص نہیں بلکہ عام ہے ۱۲ ۔ ؎ قرآن پاک کی متعدد آیات سے یہ مفہوم بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے مثلاً وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ـــــ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ تک (۴/۱۱۵) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (۳۳/۷۱) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (۴/۱۴) ودیگر آیات ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کی پیروی کی اس کی سب تفصیل "احادیث صحیحہ" نے بتلائی ہے۔ لہٰذا آج بھی انہی احادیث کی روشنی میں قرآن کی سچی اور کامل پیروی کی جاسکتی ہے[1] اور بس

ایک اور شوخی لکھا ہے:۔ "منکر حدیث" کے لفظی معنی ہیں "حدیث کا انکار کرنے والا" ہم پوچھتے ہیں کہ کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو حدیث کے وجود کا انکار کرے؟ خود طلوع اسلام کے پاس حدیث کی کتابوں کی بڑی بڑی ضخیم جلدیں موجود ہیں" الخ (طلوع اسلام ۵ جولائی ۱۹۵۲ء، لمعات)

جواب کیا ابوجہل اور ابولہب (وامثالہم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے منکر تھے یا آپ کی نبوت و رسالت کے؟ آپ کی ہستی کو تو وہ مانتے تھے جبھی تو درپے آزار رہتے تھے وصفِ نبوت و رسالت اور آپؐ کی اتباع سے انہیں انکار تھا۔ اسی لیے آیا ہے:۔

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ ابولہب تباہ و برباد ہو۔

آپ حدیث کو "واجب العمل اور دینی حجت" نہیں مانتے۔ اس لیے بجا طور پر "منکر حدیث" کہلاتے ہیں۔ ڈریے خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے۔ رہا "حدیث" کی ضخیم جلدوں کا پاس رکھنا اور ان میں کو کتابوں اور رسالوں میں اقتباسات شائع کرنا اور پھر بھی اس کی دینی حیثیت کا انکار کرنا، سو یہ ڈھٹائی اور کفرانِ نعمت کی انوکھی مثال ہے۔ اور اس سے ہر عقلمند یہ اندازہ بھی بآسانی لگالیتا ہے کہ منکروں تک کو حدیث کے بغیر چارہ نہیں کہ خواہ وہ اسے مانتے نہیں تب بھی کتاب کی ضخامت بڑھانے، اس کی خوبی میں بظاہر اضافہ کرنے، لوگوں سے داد لینے اور اپنا مطلب نکالنے کے لیے انہیں اپنی کتابوں میں اسے شامل کرنا پڑتا ہے۔ یہ حدیث اور صاحبِ حدیث ؐ کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

شبہات کا جواب اقتباسات مندرجہ ۱۲۔۱۱ میں اکثر دعاوی سلبیہ ہیں جو بلا دلیل و سند بیان کیے گئے ہیں۔ اور بدیہی البطلان ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی تردید آپ ہیں اور ہمارے بیانات سے بھی ان کا کلی استیصال ہوجاتا ہے اس لیے اس سلسلے میں کسی مزید تردید کی ضرورت نہیں۔ تاہم چند شبہات کی تردید اور جواب کی طرف یہاں اشارہ کردیا جاتا ہے۔

(۱۔ تاج) یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ "ہم کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا

---

[1] اور یہی ہوسکتی ہے جب احادیث کو "دینی حجت" اور دین میں واجب العمل تسلیم کیا جائے ۱۲

حکم نہیں دیا گیا"۔ کیونکہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ الآیہ کا حکم دے کر قرآن نے خود "ایمان بالرسول" کی تفصیل اور اس کا عملی تقاضا جگہ جگہ بنایا ہے۔ کہ جملہ معاملات میں آپؐ کی پیروی کی جائے۔ آپؐ کے "اُسوہ حسنہ" کو مشعلِ راہ بنایا جائے اور آپؐ کے احکام و قضایا کو تسلیم کیا جائے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء)

اے محمدؐ! تیرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ آپس کے اختلافات میں تیرے حکم کو بغیر کسی دل تنگی کے، پوری رضا و تسلیم کے ساتھ مان نہ لیں، تب تک یہ مومن نہیں۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر، ۷)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو چیز یا جو حکم بھی دیں اسے لے لیا کرو اور جس بات سے بھی روکیں اس سے رک جایا کرو۔

یہ جملہ اوامر و نواہی، اخلاق و معاملات، سنن و مستحبات اور مکروہات وغیرہ کو شامل ہے۔ مالِ غنیمت اور فئے وغیرہ سے مخصوص نہیں۔ کیونکہ "ما" لغۃً و شرعاً عمومیت کے لیے ہے۔ لہٰذا یہ تصور ہی باطل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (حدیث) کو رد کیا جائے اور پھر بھی آپؐ پر وہ ایمان باقی رہے جو شرعاً مطلوب اور معتد بہ ہے۔

رہی کھوٹے کھرے کی تمیز سو اہل علم نے قریب زمانے میں پوری دیانت داری اور جاں فشانی اور "فنی تحقیق" سے اس اہم کام کو سرانجام دیا اور "احادیثِ صحیحہ" کے مستند مجموعے، قابل اعتماد "علمی شہادتوں" (اسانید) کے ذریعے مدوّن و مرتب کیے۔ جن کی پشت پر "عملی تواتر" اور اہل بصیرت علماء و فقہاء کی "قبولیتِ عامہ" ہے۔ سو کسی "صحیح حدیث" کو رد کرنا، رسول کے فرمان کو رد کرنا ہے۔ جس کی جرأت کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ (اللہ تعالیٰ ایسی شرمناک گستاخی سے بچائے۔ آمین)

"حدیث" کو "تاریخ" یا "دینی تاریخ" کہہ دینے سے اس کے "حقیقی مرتبہ و مقام" کو نہیں بدلا جا سکتا۔ یہ کوئی اُمراء و سلاطین کی تاریخ تو ہے نہیں کہ ہم چاہیں تو اس میں سے کچھ لے لیں، نہ چاہیں تو نہ لیں۔ یہ تو "اُسوہ حسنہ رسولؐ" ہے جس کی اتباع بموجب تصریحِ قرآن ہر حال میں ہم کو کرنی لازم ہے۔ اور اسی لیے ہمارے لیے یہ "دینی حجت" اور اتباع کا قابلِ قدر و اجب العمل نمونہ ہے۔ ہمارے لیے کسی کلام کے

ضروری اطلاع

اس سے پہلے شمارہ میں جامعہ اشرفیہ کی عمارت کے سلسلے میں جو اپیل کی گئی تھی اس پر بحمد اللہ بعض حضرات نے عطیات ارسال فرمائے ہیں جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں :-

یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مجوزہ عمارت کے لیے صرف زمین خریدنے کا تخمینہ تقریباً ایک لاکھ روپے کا ہے اہل خیر حضرات اس پر خصوصی توجہ فرمائیں۔

(۱) رشید احمد صاحب۔	ایک ہزار روپے
(۲) محمد زبیر صاحب	" "
(۳) شیخ عبد الرحمٰن صاحب	" "
(۴) شیخ محمد احمد صاحب	" "
(۵) شمیم احمد صاحب	" "
(۶) پروفیسر احسان الحق صاحب انڈر سکرٹری۔ کراچی	یک صد روپے
(۷) چودھری علی اکبر صاحب پنشنر اے۔ ڈی۔ ڈی۔ جی۔ پی اینڈ ٹی کچہری روڈ گجرات۔	پچاس روپے
(۸) بابو محمد نصیب صاحب۔ مال روڈ۔ لاہور	پچاس روپے
(۹) حافظ علی محمد صاحب۔ ڈیرہ میاں، ضلع سرگودھا۔	پانچ روپے

اس مد کی جملہ رقوم ذیل کے پتے پر ارسال فرمائیں۔

مہتمم جامعہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد، لاہور۔

ترقیم محمد ایوب الرحمٰن الدہلوی غفرلہ

تبصرہ

بیان القرآن

مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۰ کراچی۔ کاغذ سفید نہایت اعلیٰ۔
طباعت عکسی رنگین۔ ہدیہ فی جلد پانچ روپے۔

اس کتاب کے تعارف کے لیے تو صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ قرآن مجید کی وہ تفسیر ہے جو مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی تحریر فرمودہ ہے اور بارہ جلدوں میں ختم ہوئی۔ اصل تالیف پر کسی قسم کی تنقید و تبصرے کا تصور بھی کرنا سخت بے ادبی ہے۔ کیونکہ حضرت مؤلف قدس سرہٗ کی ذات والا صفات کسی رسمی تعارف اور مروجہ تعریف سے بہت بلند و بالا ہے۔ اور مؤلف یا اس تالیف کے بارے میں کچھ کہنا بعینہٖ اس کا مصداق ہے کہ :-

شاہ را گوید کہ او جولاہہ نیست

یہ تفسیر اس سے قبل حضرت مؤلف قدس سرہٗ کی حیات ہی میں دو دفعہ طبع ہوئی۔ پہلی دفعہ تو مطبع مجتبائی دہلی میں اور دوسری دفعہ مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں۔

طبع دوم کے وقت حضرت مؤلف قدس سرہٗ نے اس پر نظر ثانی فرما کر جابجا اضافات وغیرہ فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت رحہ کی دو مستقل تصانیف کو بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا یعنی "مسائل السلوک" جس میں سلوک و تصوف کے مسائل کو آیات قرآنیہ سے ثابت کیا گیا ہے اور طریق استدلال میں ان اصول و قوانین کو ملحوظ رکھا جو اصولیین کے نزدیک مسلّم ہیں۔ اس کتاب کو تفسیر کے حواشی پر لیا گیا اور اس کا اردو ترجمہ بھی جو خود حضرت مؤلف قدس سرہ کا فرمایا ہوا ہے اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ اور دوسری کتاب "وجوہ المثانی" جس میں اختلاف قرأت کا ذکر ہے ہر جلد کے آخر میں لگائی گئی۔

اس وقت دونوں دفعہ کی طبع شدہ یہ تفسیر بالکل نایاب تھی اور شدید ضرورت تھی کہ اس کی طبع کا انتظام کیا جائے۔ مگر اتنی ضخیم کتاب کی طباعت کا ارادہ کرنا ہر شخص کے لیے مشکل تھا۔ حق تعالیٰ نے یہ خدمت "تاج کمپنی" کے حصہ میں رکھی اور کمپنی نے اس کی طباعت کا ارادہ اپنے مخصوص معیار پر کیا اور بحمد اللہ بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر بلاکوں کے ساتھ اس کی طباعت کو شروع کیا۔

لیکن اس میں عربی کے حواشی اور مسائل السلوک کا عربی حصہ شامل نہیں کیا (جو صرف علماء ہی کے لیے مفید اور کار آمد تھا۔ چنانچہ اس کے حذف کرنے سے علماء کے لیے اس میں زیادہ کشش باقی نہیں رہی) اور اس طرح اس تفسیر کو عوام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں پہنچانے کی سعی کی۔ اور ساتھ ساتھ اس کی تصحیح کا نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام کیا۔ غرض اب یہ کتاب کتابت، طباعت، کاغذ اور تصحیح کے لحاظ سے بے نظیر و بے مثل ہے۔ حق تعالیٰ کارکنانِ کمپنی کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

آلۂ مکبر الصوت کے شرعی احکام

مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم۔

سائز ۲۰×۲۶/۸ قیمت آٹھ آنے۔ ملنے کے پتے:۔

(۱) مکتبہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی۔ (۲) ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انار کلی، لاہور۔

اس رسالہ کا تعارف خود حضرت مفتی صاحب قبلہ نے رسالہ کے دوسرے صفحہ پر درج فرمایا ہے اسی کا نقل کر دینا کافی ہے:۔

"یہ رسالہ پہلی مرتبہ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا تھا۔ اب پندرہ سال کے بعد شعبان ۱۳۷۲ھ میں دوبارہ شائع ہو رہا ہے۔ اس طبع ثانی میں بہت سی ترمیمات اور اضافاتِ جدیدہ و تحقیقاتِ مفیدہ شامل کی گئی ہیں۔ نماز میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس آلہ کی پوری کیفیت اور اس کے ذریعہ دور تک آواز پہنچنے کی حقیقت معلوم ہونے سے متعلق تھا۔ پہلی اشاعت کے وقت اس کا پورا انکشاف نہ تھا اور چند ماہرینِ سائنس کی مختلف و متضاد تحقیقات نے اس کو اور بھی الجھا دیا تھا۔ کئی سال سے یہ مسئلہ محلِ غور و بحث بنا رہا اس لیے طبع ثانی میں تاخیر ہو گئی۔

اب بحمد اللہ مزید تحقیق و تفتیش کے بعد اعلیٰ ماہرینِ سائنس کے ذریعہ اس مسئلہ کی فنی تحقیق بھی قابلِ اطمینان ہو گئی جس کو پوری تفصیل کے ساتھ اس رسالہ میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے اور دوسرے اکابر علماء کی تحقیقات و آراء و فتاویٰ سے بھی اس عرصہ میں استفادہ کا موقعہ ملا۔ ان کو بھی جزو رسالہ بنا دیا گیا ہے۔"

چنانچہ اب اس رسالہ میں "دارالعلوم دیوبند" "مظاہر علوم سہارن پور" "خیر المدارس ملتان" اور "دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار" کے علماء اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہم کی آراء درج ہیں۔ اس کے علاوہ آخر میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح اور علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری المصری رح کے خطوط بھی اسی مسئلہ کے بارے میں درج ہیں۔ غرض بحمد اللہ اس مسئلہ میں یہ رسالہ اس وقت حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔